سفرنامہ مصر و شام

۱۹۱۳ء

عنوان

USh

Shibli

سفر کا ارادہ اور آغاز

سفر کے ارادہ کا سبب۔

جس زمانہ میں مجکو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا اُسی وقت یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جسقدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اس مقصد کیلیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی خیال تہا جسنے اوّل اوّل اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تہا کہ مصر و روم میں۔ اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے اُس سے ایک ایسا سلسلۂ تالیف ضرور طیار ہو سکتا ہے

اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تہا لیکن چند در چند اسباب سے دیر ہوتی گئی۔ یہانتک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا۔ گذشتہ سال عجیب اتفاقی طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی۔ پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا یہاں تک کہ علاج سے تنگ آکر تبدیل آب و ہوا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کے لیے الموڑہ اور کشمیر میں دوستوں کو متعدد خط لکھے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ۔ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلاسفی اور میرے اُستاد ہیں (میں نے اُنسے فرنچ زبان سیکھی ہے) آج ہی کل میں ولایت جانیوالے ہیں۔ دفعتہً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر۔ آب و ہوا کی تبدیل مسٹر آرنلڈ کا ساتھ۔ اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے ہیں۔ اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ بہ اصرار سے میں مسٹر موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اُنہوں نے

نہایت خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ جہانتک ممکن ہے سفر کے ضروری کاموں میں تمکو کافی مدد دونگا۔

اُسوقت جہاز کی روانگی کو کل تین چار روز باقی تہے۔ احباب و اعزہ نے سُنا تو سخت متعجب ہوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اس جلدی و بے سر و سامانی کے ساتھ اتنا بڑا لمبا سفر کونسی دانشمندی کی بات ہے میں نے کہا ع

هرچه بادا باد من کشتی در آب انداختم

کالج میں گرمیوں کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہے۔ مدت ملازمت کی لحاظ سے مجکو تین مہینے کی پریولج رخصت کا حق حاصل تہا۔ اس طرح دونوں کو ملا کر۔ چھ مہینے کی رخصت مل گئی۔ اور ۲۶-اپریل سنہ ۱۸۹۲ع کو میں علی گدہ سے چل کہڑا ہوا۔ مسٹر آرنلڈ اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیئے ایک دو دن پہلے جہانسی روانہ ہو گئے تہے۔ جہانسی کے اسٹیشن سے انکا ساتھ ہوا اور تمام راہ بڑے لطف و مسرت سے کٹی۔ مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ بن داود کو جو بمبئی کے ایک معزز اور روشنضمیر تاجر ہیں خط کے ذریعہ سے اپنے انکی اطلاع دیدی تہی جسمیں میری معیّت کا بہی ذکر تہا چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کسیقدر تبدیلی ہو گئی ہم لوگ تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہنچے۔ مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لیکر وسٹن ہوٹل کو گئے۔ میں بازار میں پہر رہا تہا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچہا کہ تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے۔ بولا کہ آپ مولوی شبلی تو نہیں ہیں۔ میں اس کے اس تفرس پر جو کشف سے کم نہ تہا حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپ کے لیے حیران ہوتے ہیں چلیئے۔ حاجی صاحب آپکا انتظار کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بہی ہوٹل سے بُلا لیا اور ہم دونوں ان کے باغ میں ٹہرے

جس روز ہم بمبئی پہنچے اُس کے دوسرے دن ہمارا جہاز روانہ ہونیکو تھا۔اس لئے ہمنے اپنا تمام وقت سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں اُنکی سیر نکر سکے۔ کگ کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا۔جس جہاز پر ہم جانیوالے تھے اُسکا کرایہ بمبئی سے پورٹ سعید تک سکنڈ کلاس کا ۱۸ ؏۱۲ تھا۔میں نے یہ سخت غلطی کی ریٹرن ٹکٹ نہیں لیا۔جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ واپسی کے وقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے ۲۰ ؏۱۰ پونڈ یعنی ساڑھے ۳۲۵ روپیہ دینے پڑے۔پہلی مئی کی صبح کو نو بجے ہم جہاز پر سوار ہوئے۔قریباً بارہ بجے جہاز نے لنگر اُٹھایا اور ہم نے بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا۔پڑھکر ہندوستان کو خدا حافظ کہا۔ سیکنڈ کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے۔یعنی ایک مسلمان۔ایک انگریز۔ایک پارسی۔ایک اسپینز۔ایک سیامی۔

جہاز کی حرکت اول اول تو چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوئی۔لیکن شام کے قریب طبیعت متغیر ہونی شروع ہوئی۔رات کا کھانا کھا کر سو رہے۔صبح کو آنکھ کھلی تو عجیب کیفیت تھی۔دوران سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی۔دو دن تک غشی کی سی حالت رہی۔جہاز کا ملازم کبھی کبھی چائے بسکٹ نارنگیاں لاتا تھا کہ کچھ کھالو لیکن ان چیزوں کے دیکھنے سے اُبکائی آتی۔مسٹر آرنلڈ چائے پی لیا کرتے تھے۔اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی۔لیکن قے کرنے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی تھی ان کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پیکر قے کی اور فائدہ محسوس ہوا۔

سمندر کی ہوا

تیسرے دن ہم سب اُٹھ بیٹھے۔ہم سنا کرتے تہے کہ سمندر کی ہوا تندرستی کے لئے نہایت مفید ہے۔درحقیقت۔جہاز کا سفر سو علاجوں کا ایک علاج ہے میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تہا۔لیکن روز بروز چاق وچست ہوتا گیا۔طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تہا اور بہوک خوب لگتی تہی۔ہم لوگوں کو پانچ وقت کہانا ملتا تہا۔یعنے صبح کے آٹھ بجے چائے۔دودہ۔بسکٹ۔گیارہ بجے معمولی کہانا جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تہے۔ایک بجے ٹفن۔پانچ بجے ڈنر۔ جس میں معمولی گوشت کے علاوہ۔مرغ۔بط۔کبوتر۔ہر قسم کی پڈنگ تر اور خشک میوے ہوتے تہے۔کبہی کبہی برف کی قفلیاں بہی ہوتی تہیں۔رات کو نو بجے چاے اور مکہن۔ہر وقت کا کہانا پیٹ بہر کر کہاتے تہے اور سب ہضم ہو جاتا تہا۔

ایک عیسائی کا عربی زبان کے ساتھ تعصب

میں تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تہا۔مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑہنی شروع کر دی تہی۔ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تہا مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑہنے سے بہت جلتا تہا۔اکثر اُن کے پاس آتا اور تحقیر کے ساتھ عربی حرفوں کو نہایت بُرے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان۔اونٹوں کی زبان ہے۔اگرچہ مجکو اُس کی ان حرکتوں سے رنج ہوتا تہا لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ عرب کی زیر دست رہ چکی تہی عرب۔اور عربی زبان کے ساتھ اُسکا یہ سلوک بیجا نہ تہا۔

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر جانور ذبح نہیں کئے جاتے اور مولوی

سمیع اللہ خاں صاحب نے اپنے سفرنامہ میں تجربہ سے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔
میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا۔ مسٹر آرنلڈ نے مجھسے
اسکا سبب دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخنقہ حرام ہے۔ بولے
کہ اس جہاز پر پرند جانور ذبح کیئے جاتے ہیں گردن مڑور کر مارے نہیں جاتے۔ چونکہ
شرعاً ان کی تنہا شہادت کافی نہ تھی۔ میں خود گیا اور اس کی تصدیق کی۔ ذبح کرنے والا
عیسائی تھا وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا نہ تھا۔ صرف گردن پر چھری پھیر دیتا تھا۔
اگرچہ حنفیوں کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کیلیئے میں
شافعی بن گیا تھا جن کے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے۔

پرند جانور ذبح کیئے جاتے تھے

جہاز پر مسٹر آرنلڈ وہ آرنلڈ نہیں رہے تھے جو علی گڈہ میں تھے۔ نہ وہ متانت تھی نہ
وہ کم آمیزی۔ اکثر ہنسی مذاق کیا کرتے۔ بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چھت پر اُچھلتے
کودتے پھرتے۔ میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور
درحقیقت سمندر کی فضا کچھ ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزوں طبع آدمی جہاز
کے سفر میں خواہ مخواہ گنگنا اُٹھتا ہے۔

۷۔ مئی ۱۸۹۲ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسیقدر فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔
عدن میں بڑی دلچسپی یہ ہے کہ سمالی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار جہاز کے
قریب آتے ہیں اور جہاز والوں سے انعام لینے کے لیئے عجیب عجیب مبتذل حرکتیں
کرتے ہیں۔ کچھ ناچتے گاتے ہیں۔ کچھ آپس میں ملکر چند بے معنی الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں

بجاتے جاتے ہیں۔ بڑا کمال یہ ہے کہ لوگ دوانی۔ چونی۔ پیسے۔ جو کچھ انکو انعام دینا چاہتے ہیں سمندر میں پھینکدیتے ہیں اور وہ غوطے مار کر نکال لاتے ہیں۔ اکثر انگریز اس تماشہ میں مصروف تھے اور آرنلڈ کو بھی اس میں مزا آتا تھا۔ لیکن میری کچھ اور حالت تھی۔ چونکہ غلطی سے میرا یہ خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں۔ اس لیئے یہ طبعی بات تھی کہ میں اُنکو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔ لیکن وہ انعام لینے کے لیئے ایسی مبتذل۔ ناموزوں اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ عبرت ہوتی تھی کہ عرب کی اب یہ حالت ہے کہ غیروں کے سامنے اُس قسم کی حرکات سے انکو شرم نہیں آتی۔ ان خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا یہاں تک کہ انکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکلا کہ قحوما عمہ آرنلڈ۔ پاس تھے۔ میری تغیر حالت پر انکو خیال ہوا۔ میں نے دل کی کیفیت اور اُسکا سبب بیان کیا۔ ایکبار آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور چُپ ہو رہے۔ شہر میں جا کر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہو گیا کہ سمالی قوم عرب نہیں ہے تو مجکو کسیقدر تسکین ہوئی۔ یہی غصہ اور رنج تھا جس کی وجہ سے میں نے قصیدۂ سفریہ میں اس کمبخت قوم کی سخت ہجو کی ہے اور درحقیقت وہ اس کے مستحق ہیں۔

سمالی قوم کے مبتذل حرکات

چونکہ وقت کم تھا اس لیئے میں شہر کے اندرونی حصہ کو نہ دیکھ سکا۔ ہندوستان کو خط روانہ کیئے۔ ایک خط کے سرنامہ پر یہ اشعار لکھے جو اُسی وقت موزوں ہوئے تھے۔

چوں کمر بستم بعزم ایں سفر از روی عزم	دشمن و ہم دوست را در پیچ و تاب انداختم

ہر کسی ابس شگفت آمد کہ حاصل چیست ازیں … تا چرا خود را بدیں ساں در عذاب انداختیم
ہر یکے پندم ہمی داد و ہمے گفتے کہ من … زیں سخن از عارضِ معنے نقاب انداختیم
چوں لجاجت از حد بردند گفتم بس کنید … ہر چہ باد ا باد من کشتی در آب انداختیم

عدن کی زبان

عدن کی زبان عموماً عربی ہے۔ اور پارسی۔ ہندو۔ بنگالی۔ جو تجارت یا نوکری کے ذریعہ سے یہاں رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں۔ چونکہ میں نے کبھی کسی ہندو کی زبان سے اِس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سُنے تھے۔ بنیوں اور بقالوں کو این تروح ماتبغی بولتے دیکھکر عجب مزہ آتا تھا۔

یہاں کی زبان گو عربی ہے۔ لیکن نہایت بیہودہ اور غیر فصیح ہے۔ اگرچہ آج کل تمام اُن ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے قدیم عربی نہیں رہی لیکن عدن کی زبان سب سے نرالی ہے۔ دو چار معمولی الفاظ کے سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ غالباً یہاں کی زبان ایک مدت سے اجنبیوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہوتے ہوتے اس حالت کو پہنچی ہے علامہ مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گزرا ہے اور جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ "عدن میں جو قومیں بستی ہیں اُن میں زیادہ اہلِ فارس ہیں" علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا کہ "یہاں عموماً جیم کے بجائے کاف بولتے ہیں اور رجلیہ کے بجائے رجلینہ و علی ہذا" جب علامۂ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو مرہٹوں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

عدن میں ایک جرمنی ہمارے جہاز پر سوار ہوا جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے۔ اور مدت تک ان اطراف میں رہکر یورپ کو واپس جارہا ہے۔ سیاحی وتجارت کی بدولت وہ متعدد زبانوں میں بے تکلف بات چیت کرسکتا ہے۔ جب وہ جہاز کے افسروں سے المانین میں۔ آرنلڈ سے انگریزی میں۔ مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجکو سخت تعجب اور رشک ہوتا تھا۔ کہانے کی میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا ترجمان بنتا تھا۔ اس نے عرب وافریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب وغریب جانور بہم پہنچائے ہیں۔ ایک بڑے پنجرے میں افریقہ کے بندر تھے جن کی ہیئت معمولی بندروں سے کچھ الگ تھی۔ ان میں زیادہ تر تعجب انگیز بات یہ تھی کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آتے دیکھکر غل مچاتے تھے تو اُن کی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے۔ میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ جس طرح مثلاً بلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے فرضی الفاظ ہیں لیکن چند بار میں نے غور سے سنا تو صاف صاف لَ اور یایا کی آواز محسوس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پردے سے سنتا تو ہرگز خیال نہ کرسکتا کہ بندر کی آواز ہے۔ میں نے مسٹر آرنلڈ سے اسکا ذکر کیا تو اُنہوں نے بھی تصدیق کی۔ غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدت کے تجربے اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں۔ عجیب وغریب بندر

عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے اس لیئے ہم بڑے

ایک ناگوار واقعہ

لطف سے سفر کر رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک پرخطر واقعہ پیش آیا جس نے تھوڑی دیر تک مجکو سخت پریشان رکھا۔ ۱۰ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اُٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اُس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا۔ میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اُسوقت نہایت اطمینان کے ساتھ۔ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے ! ۔ بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں ؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا

مسٹر آرنلڈ کا استقلال

کیا موقع ہے ؟ فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے۔ اور ایسے قابل قدر وقت کو رایگاں کرنا بالکل بیعقلی ہے۔ اُن کے استقلال اور جرأت سے مجکو بھی اطمینان ہوا۔ آٹھ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا

۱۳۔ مئی کو جہاز سویز پہنچا اور تین چار گھنٹے کے لیئے ٹھیرا۔ مصری ۶ ب بنیر۔ کھجور۔ روٹیاں بیچنے کے لئے لائے۔ ان میں سے ایک نے مجکو ہندوستانی خیال کر کے اُردو میں باتیں کرنی شروع کیں۔ مجکو تعجب ہوا اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اس نے کبھی ہندوستان کی صورت نہیں دیکھی تو اُردو کی عالمگیری پر مجکو اور بھی تعجب ہوا۔ ۱۴ مئی کو

ہم پورٹ سعید پہنچے اور نہایت افسوس کے ساتھ مجکو مسٹر آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا۔ بمبئی سی میں نے برنڈزی تک کا ٹکٹ لیا تھا۔ پورٹ سعید پہنچکر یہ خیال ہوا کہ برنڈزی تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہے لیکن وہاں سے قسطنطنیہ تک ایک ہفتہ کا سفر ہے۔ اتنی مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور زبان اور ملک کی اجنبیت کی وجہ سے۔ ہر کام میں دقت ہوگی۔ اس خیال کی بنا پر میں نے پہلی اسکیم بالکل بدلدی اور ارادہ کرلیا کہ شام کے راستے سے قسطنطنیہ جاؤنگا جہاز نے جسوقت لنگر کیا۔ کک کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافروں کی خبر گیری کے لیئے جہاز پر آیا۔ جہاز۔ کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہے اس لیئے مسافروں کے اتارنے کے لیئے کک کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی ہمیشہ طیار رہتی ہے۔ ان بندرگاہوں میں جہاز سے اُترنے کے وقت ناتجربہ کار آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی ہے۔ جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ قلی اور ملاح ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور مسافروں کو سخت پریشاں کرتے ہیں۔ ان کے ہجوم۔ شور و غل۔ اور اسباب کی چھینا جھپٹی میں۔ مسافر بالکل بدحواس ہو جاتا ہے۔ بہزار دقت کنارے پر پہنچا تو گھنٹوں کرایہ کی بحث اور تکرار رہتی ہے۔ ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ کک کمپنی کے ملازموں کی سوا۔ اور کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھے۔

ہم کنارے پر پہنچے تو شمویل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا بڑھکر ہم سی شیک ہنڈ کی۔ یہ شخص قوم کا یہودی ہے اور کک کمپنی کی طرف سے مسافروں کی خبر گیری اور ہر قسم کی مدد دینے کے لیے متعین ہے۔ وہ متعدد زبانیں جانتا ہے اور بالخصوص

عربی۔ انگریزی۔ فرنچ۔ نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ
اُردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چیت کر سکتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہی کہ ایک
مدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہے۔ ہم اُس کے ساتھ اُس کے دفتر میں گئے
دفتر کا مکان لب دریا ہے اور میز کرسیوں سے اچھی طرح آراستہ ہے۔ میز پر ہمیشہ
بہت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں
اور اشتہارات ہوتے ہیں۔ سب سی پہلے ہم نے اس سے ٹکٹ بدلوانے کی بابت
گفتگو کی۔ یعنے یہ کہ اگر ہم یہاں اُتر جائیں اور قسطنطنیہ کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زائد کرایہ ہم
برانڈزی تک کا دیچکے ہیں وہ مجرا ملسکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ خود اس کا جواب
نہیں دے سکتا تہا کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور وہاں سے واپس آکر کہا کہ تم اُسی
ٹکٹ سے قسطنطنیہ تک جا سکتے ہو۔ صرف دو پونڈ یعنے ۳۲ رُپئے اور دینے ہونگے
میں بہت خوش ہوا اور اس کارگذاری کے صلے میں آٹھ رُپئے اس کے نذر کیئے۔
یہ بہی حسن اتفاق تہا کہ قسطنطنیہ جانیوالا جہاز اُسوقت طیار تہا ورنہ پندرہ دن تک
پورٹ سعید میں ٹھہرنا پڑتا۔

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ ہے۔ آبادی کے دو حصے ہیں۔ پورٹ سعید
جو حصہ دریا سے متصل ہے اُس میں عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں اور بہت بڑے بڑے
ہوٹل۔ قہوہ خانے اور تہیٹر وغیرہ ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے
اور بہت ہی پرفضا ہے۔ نہایت ترتیب کے ساتھ سنگ مرمر کی تختہ کی چھوٹی چھوٹی میزیں

اور اُن کے گرد کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ قہوہ۔ چائے۔ توس۔ مکھن۔ ہر وقت طیار رہتا ہے۔ اس حصہ میں کثرت سے دُکانیں ہیں اور نہایت شاندار اور آراستہ ہیں۔ دوسرے حصہ میں زیادہ تر یہاں کے اصلی باشندے سکونت رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں۔ ہوٹل کے بجائے باورچیوں کی کثیف دُکانیں ہیں۔

اوّل اوّل جب میں اس شہر کی سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کی آبادی دیکھی (حرمین شریفین کی زیارت سے گو اس سے پہلے شرف ہو چکا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہے اور میں دنیوی سلطنت اور حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ الحمدللہ ان ملکوں میں مسلمان خوشحال اور دولتمند ہیں۔ لیکن دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ کسی یورپین سوداگر کا مکان ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان کی نہ تھی۔ افسوس ؎ ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

البتہ یورپین آبادی کے خاتمے پر ایک شاہی مسجد ہے اور وہ بہت پر رفعت اور شاندار ہے۔

تھوڑی دیر بازار میں پھر پھرا کر قسطنطنیہ جانیوالے جہاز پر سوار ہوا۔ شیمویل اور مسٹر آرنلڈ ساتھ تھے۔ چونکہ یہ بیت المقدس کے حج کا زمانہ تھا اسلیئے فرسٹ اور سیکنڈ دونوں درجے عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مسٹر آرنلڈ نے کہا مجکو ڈر ہے کہ تمکو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور اس لیئے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو تم غیر مذہب غیر قوم۔ تمہاری معیت انکو کیونکر گوارا ہوگی۔ لیکن مجکو تجربہ کے بعد معلوم ہوا

کہ مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تہا۔ وہ لوگ پابند مذہب تہے لیکن فرنچ اور اٹالین تہے انگریز نہ تہے۔ اس لیئے کم آمیزی اور فاتح و مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں اُنمیں بالکل نہ تہیں۔ مسٹر آرنلڈ تہوڑی دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ میں نے اُنکو خدا حافظ کہا اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکہیئے تنہائی میں۔ اب کیونکر گذرتی ہے۔

۱۵۔ مئی کو جہاز یافہ پہنچا۔ ہمارے اکثر یورپین ہمسفر یہاں اُتر گئے۔ بیت المقدس یہاں سے صرف رات بہر کا راستہ ہے۔ چونکہ وقت کم تہا اس لیئے میں یہاں اُتر نہ سکا۔

۱۶۔ مئی کو بیروت پہنچے۔ یہاں جہاز عموماً دوپہر سے کم نہیں ٹہرتا۔ چونکہ یہ ایک تاریخی مقام اور نہایت قدیم شہر ہے اس لیئے میں اُس کے دیکہنے کا بہت شائق تہا۔ کنارے پر پہنچکر بڑی دقت یہ پیش آئی کہ وہاں تذکرہ یعنی پروانۂ راہداری۔ کے بغیر کسی کو اُترنے نہیں دیتے ستہے۔ میں ہندوستان سے اس عجلت میں چلا تہا کہ پاسپورٹ لینے کا موقع نہیں مل سکا تہا۔ اول تو میں بہت گہبرایا کہ افسوس یہ سیر مفت میں ہی جاتی ہی لیکن پہر خیال آیا۔ اور میں نے اِن لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹہرنا نہیں چاہتا صرف سیر کرنی مقصود ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کیونکر سمجہا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں غریب الوطن سمجہکر مہربانی کی اور ایک آدمی ساتھ کر دیا کہ یہ تمکو شہر کی سیر کرا دیگا۔

چونکہ پہلے سے ارادہ تہا کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہاں دو ایک روز قیام کرونگا۔ اس لیئے اِس دفعہ صرف سرسری طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی۔ کتابوں کی دُکانیں دیکہیں۔ گزرگاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تہا۔ تہوڑی دیر تک وہاں ٹہرا۔ اور راہ چلتوں کا تماشا

بیروت کی سیر

دیکھتا رہا۔ جب کوئی شخص شان وشوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا تو میں اپنے رہنما سے پوچھتا کہ کون ہے؟ اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ "عیسائی"۔

یہاں سب سے زیادہ مجکو یہ بات پسند آئی کہ تمام دُکاندار اور پیشے والے۔ حتیٰ کہ قلی اور مزدور بہی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تہے۔ تین چار گھنٹے اِدہر اُدہر پہر کر واپس آیا۔ ایک اٹھنی رہنما صاحب کی نذر کی اور اُن سے رخصت ہو کر جہاز پر پہنچا۔

پورٹ سعید سے حالت سفر میں ایک تغیر۔

پورٹ سعید سے۔ سفر کی حالت میں جو تجدد ہوا وہ یہ تہا کہ بمبئی سے پورٹ سعید تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تہا۔ یہاں پہنچکر دو ایک مسلمان نظر آئے اور بیروت میں تو سارا جہاز شامی عربوں سے بہر گیا۔ بدقسمتی سے فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کو تو یہ عزت نصیب نہیں ہوئی لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تہے۔ میں شروع سفر سے مسلمانوں کی صورت کو ترس گیا تہا۔ یہ مجمع دیکھکر حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ فرسٹ کلاس کی چہت نہایت صاف اور پرفضا جگہ تہی اور میں اکثر وہیں بیٹھکر دریا کی سیر کیا کرتا تہا۔ لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بہولکر بہی اُدہر قدم نہیں رکہا۔

اوّل اوّل مجکو ان لوگوں سے میل جول پیدا کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ یہ لوگ چہت پر جابجا پہیلے ہوئے تہے اور دو دو چار چار آدمیوں کی الگ الگ جماعتیں تہیں۔ میں بڑے شوق سے اُن کے پاس گیا لیکن وہ مطلقاً متوجہ نہوئے جس شخص کے پاس کہڑا ہوا اُسنے ایکبار آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور گردن نیچی کرلی۔ مجکو اس بداخلاقی پر سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتا تہا کہ عربوں کی مہماں نوازی کی یہ کچھ تعریفیں سُنی تہیں! اِن کو تو

بات چیت میں بھی مضائقہ ہے۔ ان میں مدرسہ حربیہ کے چند طلبا تھے جو رخصت لیکر وطن میں آئے تھے اور اب قسطنطنیہ جارہے تھے وہ کبھی دل بہلانے کے لئے عربی دیوان وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ ہمفنی کے ذریعہ سے تعارف پیدا کروں۔ چنانچہ اُن کے پاس گیا اور دخل در معقولات کے طور پر اپنی مولویت اور علمیت جتانی شروع کی۔ وہ اسپر بھی متوجہ نہوئے۔ میں اپنا سا مونھ لیکر چلا آیا۔ لیکن مجکو یقین تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہے۔ اتفاقاً ایک موقع پر ایک شخص نے میرا مذہب پوچھا میں نے کہا "اسلام" بولا کلا واللہ اھلنا اطربوش المسلم یعنی "ہرگز نہیں۔ کہیں مسلمان بھی ایسی ٹوپی اوڑھتے ہیں" بدقسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اسوجہ سے تمام عرب مجکو مجوسی سمجھتے تھے۔ یہ معما جب حل ہوا تو میں نے اُن لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کردیا اور پھر وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ایک دم کو مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مدرسہ حربیہ کے طلبا سے زیادہ صحبت رہتی تھی۔ قسطنطنیہ کے متعلق مینے بہت سی ضروری باتیں اُنسے دریافت کیں اور درحقیقت ان معلومات سے مجکو بہت فائدہ ہوا

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں۔ جہاز پر بھی محسوس ہوتا تھا بمبئی سے سویز تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کے ساتھ قلیوں کیطرح برتاؤ کیا جاتا تھا لیکن ان ممالک میں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ جہاز کے افسر اور ملازم جو عموماً یورپین ہیں ان مسافروں کو دل میں جو کچھ سمجھتے ہوں لیکن ظاہر میں ان سے کوئی بُرا برتاؤ نہیں کرسکتے تھے۔ متعدد موقعے پیش آئے جن میں میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کیطرف سے ہوتی تھی لیکن افسران جہاز کو اغماض کرنا پڑتا تھا۔

۱۷ مئی کو جہاز سائپرس پہنچا۔ یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے جو بحر روم میں واقع ہے اور جسکو عربی میں

سائپرس

قبرس کہتے ہیں یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۲۷ھ میں امیر معاویہ نے اسپر حملہ کیا۔ شہر والوں نے اسپر صلح کی کہ جس طرح ہم سلطنت روم کو خراج دیتے ہیں تمکو بھی سات ہزار دو سو دینار سالانہ دیا کرینگے اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہمکو کسی سے واسطہ نہوگا۔ امیر معاویہ نے یہ شرط قبول کرلی لیکن ۳۲ھ ہجری میں ان لوگوں نے خلافِ عہد مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کو مدد دی۔ امیر موصوف نے پانسو کشتیوں کے بیڑے کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔ تاہم تعداد خراج اور صلح کی شرطیں وہی رہنے دیں۔ ان کے حکم سے بارہ ہزار عرب وہاں جاکر آباد ہوے اور مکانات اور مسجدیں تعمیر کیں۔ ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور کئی بار فتح ہو ہو کر پھر نکل گیا۔ سب سے آخیر ترکوں نے ۱۵۷۰ء میں عیسائیوں سے واپس لیا اور اب تک اُنہی کے قبضہ میں تھا۔ روم و روس کی اخیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ سالانہ خراج جو سلطان کو ملتا تھا اب بھی ملتا رہیگا۔ چنانچہ اب وہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے۔

اس جزیرہ میں لرنکہ اور لماسون دو بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ جہاز تھوڑی دیر کے لئے لنگر کرتا ہے۔ میں نے لماسون کی سیر کی۔ چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لئے راہداری کے پروانہ کی پرسش جو نہ تھی۔ میں شہر میں داخل ہوا تو میرے سر پر ایرانی ٹوپی اور بدن میں شروانی چکن تھی۔ غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کبھی دیکھی نہ تھی میں جدھر سے گزرتا لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہوجاتا تو تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا۔ مسجد کے متصل ایک مکتب ہے۔ وہاں ایک مولوی صاحب جو نہایت باوقار اور خوش لباس تھے ابتدائی

صفوں کو درس دے رہے تھے۔ میں نے سلام علیک کی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے تپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں بھی اُنکی برابر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب کے اشارے سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آئتیں پڑہیں میرے دل پر عجیب اثر ہوا خیال آتا تھا کہ کہاں وہ حجاز کا ریگستان! کہاں بحر روم کے دور دراز جزیرے! اس مقدس کلام (قرآن) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک برقی قوت بنکر دوڑ گئی اور آجتک باقی ہے۔ وہ معصوم لڑکا خوش لحن بھی تھا اور اُصول قرارت کے مطابق پڑہتا تھا۔ اتفاق سے آئتیں بھی مؤثر تھیں۔ ان باتوں نے مجکو بالکل مدہوش کر دیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی۔

اگرچہ پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے طرز انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں۔ محکمۂ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات سے حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجکو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا بہت خلیق اور باوقار آدمی ہیں۔ تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے۔ تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سررشتۂ تعلیم کی کتابیں پڑہائی جاتی ہیں جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا اُسمیں قرآن مجید۔ فقہ کا ابتدائی رسالہ۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ درس میں داخل ہے اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے۔ قسطنطنیہ سے واپسی کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور مدرس صاحب اُسوقت تک تشریف نہیں لا چکے تھے۔ دو تین لڑکے موجود تھے وہ نہایت ادب اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپکا وطن کہاں ہے۔ میں نے کہا ہندوستان۔ بولا "ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ خاص شہر کا نام بتائیے" میں نے علی گڈہ کا نام لیا۔ کہنے لگا میں نقشہ میں

دیکھتا ہوں کہاں واقع ہے۔" ہندوستان کا نقشہ سامنے آویزاں تھا۔ اُسنے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڈہ پر اُنگلی رکھکر کہا۔ "ہاں یہ ہی"! اس کی عمر نو دس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس لیئے مجکو اسکی اس تیزی اور یادداشت پر تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے۔ بولا "افندم" آفندی ترکی زبان میں جناب و مخدوم کے ہم معنی ہے اور جب میم متکلم کے ساتھ استعمال کیا جائے تو عموماً اس سے سلطان مُراد ہوتے ہیں میں نے کہا "یہاں تو انگریز حکومت کر رہے ہیں" بولا کہ "ہاں مستاجری کے طور پر لیا ہے اور سالانہ خراج ادا کرتے ہیں"۔ انگریزوں کی حکمتِ عملی نہایت دانشمندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس تدریج اور آہستگی سے کہ ملک والوں کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

یہاں کی زبان ترکی ہے اور یہاں سے قسطنطنیہ تک۔ ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان ہی اس سے ترکوں کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدلدی ایشیای کوچک اتنا بڑا وسیع ملک ہی اور کثرت سے عیسائی آباد ہیں جنکی زبان کسی زمانہ میں یونانی یا لیٹین تھی۔ لیکن اَب تمام ملک میں ترکی بولی جاتی ہے۔ سیپرس کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جنکا میں نے ذکر کیا اگرچہ عربی بخوبی جانتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے البتہ معمولی جملے سمجھ لیتے تھے اور اسی سہارے پر میں نے اُنسے بات چیت کی تھی۔

مجکو اسقدر قلیل زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کیحالت کا صحیح اندازہ تو کیا ہو سکتا تھا لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں۔ جسقدر بلند مکانات یا عمدہ دُکانیں نظر آئیں دریافت سے معلوم ہوا کہ کُل عیسائیوں کی ہیں۔

۱۸ امئی کو جہاز رودس پہنچا اور تین چار گھنٹے ٹھہرا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ ہی جسکی وسعت ہمارے قدیم مورخوں نے ساٹھ میل بیان کی ہی۔ اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علی گڈھ میں طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہی یہ بہی قدیم فتوحات میں سے ہی امیر معاویہ کے عہد میں ۵۳ھ میں فتح ہوا اور اُسیوقت بہت سے مسلمان وہاں جاکر آباد ہوئے۔ قدامت کے لحاظ سے میں اسکی سیر کا مشتاق تھا لیکن بدقسمتی سے رات کا وقت تھا اور جہاز والوں میں سے اور کسی نے میرا ساتھ نہ دیا۔ زیادہ بدقسمتی یہ کہ واپسی کے وقت بہی اتفاق سے یہی اسباب پیش آئے اور اُس کی سیر سے بالکل محروم رہ گیا۔

۲۰ مئی صبح کیوقت ازمیر پہنچے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہی۔ جہاز دو روز تک یہاں مقیم رہا۔ میں اپنے شامی دوستوں کے ساتھ جہاز سے اُترا۔ کنارہ پر بہی تذکرہ (پروانہ راہداری) کی باز پرس تہی لیکن ساتھیوں کی بدولت مجکو چنداں زحمت نہیں ہوئی۔ یہ شہر جسکو انگریزی میں سمرنا کہتے ہیں ایشیائے کوچک کا صدر مقام ہی اور اس صوبے میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد کوئی شہر نہیں ہی۔ قدامت و تاریخی واقعات کے لحاظ سے بہی ایک یادگار مقام ہی۔ ہومر جو یونان کا مشہور شاعر گزرا ہی اور جسکی نسبت یورپ کا خیال ہی کہ دُنیا کا سب سے بڑا شاعر تہا اُسکی قبر یہیں ہی۔ سات مقدس گرجے جنکا ذکر انجیل کے سفر رویا میں ہی انمیں سے ایک اسی شہر میں تہا۔ زمانہ کے انقلابات نے اسکو دس دفعہ تباہ و برباد کیا تاہم اُسکی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہی۔ اطراف کی زمین نہایت سیرحاصل ہی اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہی۔ ہمیشہ بیسیوں دُخانی اور بادبانی جہاز بندرگاہ میں موجود رہتے ہیں۔ ریل بہی یہاں جاری ہی اور دو وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہی۔

اسلامی آثارات بکثرت ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدوں کی تعداد تین سو سے

کم نہیں جن میں بعض بڑی شوکت و شان کی ہیں۔

جہاز سے ہم اُترے تو نہایت بلند اور شاندار عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا جو دور تک بخط مستقیم دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ہی۔ یہ عمارتیں ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ تھیٹر۔ ناچ گھر۔ اور عیسائی تاجروں کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پُرفضا ہیں۔ رات کیوقت ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہی۔ قہوہ خانوں اور ناچ گھروں کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہی اور ہر جاؤ نغمہ و سرود کی آواز آتی ہی۔ اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیوں کا محلہ ہی اور اسقدر بلند اور عالیشان عمارتیں ہیں کہ میں نے ابتک کہیں نہیں دیکھیں۔ اس محلہ کے تمام گلی کوچے نہایت صاف اور ہموار ہیں۔

اس محلہ کی سیر سے فارغ ہو کر میں نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر اگرچہ نہایت پُر رونق ہی اور آدمیوں کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہی لیکن تمام سڑکیں ناہموار و ناصاف ہیں اور گلی کوچوں میں تو نجاست اور کیچڑ کی وجہ سے رستہ چلنا مشکل ہی حقیقت یہ ہی کہ ان تمام ممالک میں میونسپلٹی کا انتظام نہایت خراب ہی۔ اور حکومت ترک کے لیئے یہ ایک نہایت قابل لحاظ امر ہی۔ چلتے چلتے ہمارے شامی دوستوں کو بھوک لگی اور ایک نان بائی کی دکان پر جا بیٹھے۔ مجکو اگرچہ اشتہا نہ تھی لیکن اُن کی اصرار سے شریک ہوا۔ نان بائی کے لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے نان بائیوں اور اُنکی ذلیل دکانوں کا خیال آیا ہوگا لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ یہاں معمولی سے معمولی دکان کی آرائش کی یہ صورت ہی کہ متعدد چھوٹی چھوٹی میزیں ہیں اور ان کے گرد کرسیاں لگی ہیں۔ میزوں پر نہایت صاف چادر بچھی ہوئی ہے دیوار کے ایک کونے میں ٹونٹی لگی ہی اور اُسکے نیچے طشت اور دائیں طرف صابون اور تولیہ رکھا ہی یہ نہایت معمولی دکانوں کی کیفیت ہے اور بڑی بڑی دکانیں جنکو ہوٹل کہا جاسکتا ہی نہایت پُرتکلف اور پُرشان ہیں

لیکن اس قسم کے جسقدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیوں کے ہیں۔

میں نے مدرسوں کی سیر کرنی چاہی لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا تمام مدرسے بند تھے۔ نماز جمعہ جامع حصار میں پڑھی۔ یہ مسجد پرتکلف اور آراستہ ہے۔ چھت پر طلائی نقش ونگار ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جنسے اوقات نماز معلوم ہونیکے ساتھ مسجد کی زیبایش بھی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اسکی تقلید کیجاتی تو اچھا ہوتا۔ خطبہ و نماز میں یہاں بعض جدتیں ہیں۔ مگر شریعت میں انکی کچھ اصل ہے نہ بجائے خود وہ موزوں ہیں۔ خطیب جب خطبہ پڑھتا ہے تو بیچ بیچمیں سکتا جاتا ہے۔ اُسوقت چند اشخاص آواز ملاکر کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ چپ ہوتی ہیں تو خطیب پھر شروع کرتا ہے اور اسطرح کئی بار اتفاق ہوتا ہے۔ نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑتے ہیں جو تین چار آیتوں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ حالانکہ تمام دنیا میں جمعہ کی نماز میں۔ بڑی سورتوں کے پڑہنے کا دستور ہے۔

نماز سے فراغ ہونیکے بعد میں کتبخانہ میں گیا۔ یہ کوئی بڑا کتبخانہ نہیں ہے۔ مسجد کے کونے میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے اور کتابوں کی تین چار چھوٹی چھوٹی الماریاں ہیں۔ نماز کے بعد اکثر علما اور ارباب تصانیف یہاں آبیٹھتے ہیں جسوقت میں پہنچا اصحاب ذیل تشریف فرما تھے۔ مولانا مصطفےٰ آفندی امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ صبری آفندی مدرس مکتب اعدادی۔ مولانا سعید۔ شکری بک۔ حسنی آفندی سابق مہتمم تعلیمات۔ سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے تھے اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ پھر چھیڑا جائے۔ میں نے خوشی سے منظور کیا۔ متعہ کے متعلق بحث تھی اور وہی مشہور شبہ پیش تھا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کا طریقہ آنحضرتؐ کے زمان حیات تک جاری تھا۔ میں نے کسیقدر تفصیل سے گفتگو کی اور تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ لوگ عربی نہیں

سمجھتے تھے اسلیے میں فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ ان ملکوں میں بحث و مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رائج ہے
اور نہایت شائستہ طریقہ یہ ہے۔ اجنبی شخص کو علما کے گروہ سے ملنے اور اُنسے ربط و اختلاط پیدا
کرنیکا اس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی ذریعہ نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ مناظرہ نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے
نہیں ہوتا بلکہ اثنائے تقریر میں اگر اُنکو اندازہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مخاطب اعتراض سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا تو
قصداً دوسرا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی علمی مجلسیں اس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں اور بعض
جگہ تو انہی کی بدولت مجکو ایسی دشواریوں سے نجات ملی جن سے رہائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی۔
۲۱۔ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک کوئی بڑا اسٹیشن نہیں ہے
بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی دیر کے لیئے ٹھہرا لیکن ہم اُتر نہ سکے۔ یہ مقامات زیادہ تر
جنگ کی ضرورتوں کے لیئے ہیں اور ہر جگہ کثرت سے جنگی آلات فراہم ہیں۔ چناق قلعہ ایک مقام
ہے جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کے
فتح کرنے کا عزم کیا تو اُسوقت توپ اور گولہ کا عام رواج نہ تھا۔ محمد نے خود توپیں ڈھالیں اور مٹی کا گولہ
بنوایا جنمیں سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے پختہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان
کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ ازمیر سے قسطنطنیہ تک دریا کے دونوں طرف ایسے محفوظ قلعے اور
دمدمے طیار کیئے گئے ہیں اور اس کثرت سے سامان جنگ موجود ہے کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اس راستہ
سے دار السلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کرسکتی۔ یہ تمام قلعے اور دمدمے محمد فاتح کے عہد کے ہیں۔
یہ نامور شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادے سے بڑھا تو راہ میں جابجا جنگی چھاؤنیاں بنوائیں اور
قلعے اور دمدمے طیار کرائے۔ (لیکن یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایت ہے۔ میں نے تاریخ سے

اس کی تصدیق نہیں کی ہے۔

چنانچہ قلعہ سے آگے بڑھ کر ہم نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ جہاز تیزی سے جارہا تھا کہ دور سے پانی میں ایک فوارہ سا چھوٹتا نظر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ مچھلیاں جہاز کیطرف دوڑی آرہی ہیں۔ قریب آگئیں تو جہاز کے ساتھ ہولیں۔ انکا جسم پانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا۔ جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جارہا تھا لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں۔ کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتا تھا تو بڑے زور سے پھنکار مارتی تھیں تو اُسوقت پانی میں فوارہ سا چھوٹتا نظر آتا تھا۔ قریباً دو تین میل تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑیں۔ تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے۔ بعضوں کو خیال ہو کہ ان مچھلیوں نے کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی اسلئے اُسکو کوئی جانور سمجھیں اور مقابلہ کے جوش میں چاہتی تھیں کہ جہاز ان سے بڑھنے نہ پائے واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اور اُسوقت دریافت سے معلوم ہوا کہ اسمقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مچھلیاں آگئی تھیں اور جہاز کے ملازموں نے انکے لیئے کھانے کی کوئی چیز دریا میں ڈالدی تھی۔ اُسی کی طمع پر جب کوئی جہاز ادہر سے گذرتا ہے تو اکثر یہ مچھلیاں آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہیں

۱۲۔ مئی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہنچے۔ جہاز نے لنگر کیا یہ ایسا وقت تھا کہ مجکو منزل مقصود پر پہنچنے کی نہایت خوشی ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن قلیوں اور ملاحوں کے ہنگامی اور شور وغل میں میرے حواس جاتے رہے۔ اور ملاحوں نے تمام جہاز گھیر لیا۔ انکے شور وغل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا اور

کر سکتا تہا کہ جہاز سے اُتر کر کہاں جاؤں۔ ہوٹل میرے مناسب حال نہ تہا (اس کی وجہ آگے چلکر معلوم ہوگی) اور سراؤں پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان نہیں ہو سکتا تہا۔ سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جنسے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تہی اُنکو کالج میں پہنچنے کی جلدی تہی اس لیئے وہ میرا انتظار نکر سکے۔ مجکو اکیلا پاکر ملاحوں اور قلیوں نے اور بہی دق کرنا شروع کیا۔ میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑہتا جاتا تہا کہ جہاز پر زبان کی جنبیت کی وجہ سے یہ دقت ہے تو شہر میں کیا حال ہوگا؟ اس لیٹ ولعل میں زیادہ دیر ہوتی جاتی تہی۔ اکثر مسافر جہاز سے اُتر گئے اور اُترتے جاتے تہے۔ آخر خانساماں کو اسباب سپرد کیا اور اُس سے کہا کہ میں شہر کی سیر کرکے واپس آتا ہوں۔ مقصد یہ تہا کہ پہلے شہر میں جاکر قیام کا کچھ انتظام کرآؤں تب اسباب جہاز سے اُتاروں۔ شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کرایہ کی تہی۔ میں بہی اُن کے ساتھ ہولیا۔ کنارے پر تذکرہ کی پرس وجو تہی۔ میں نے انگریزی چٹہیاں دکہائیں لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تہے۔ غرض ہزار دقت ہائی ہوئی۔ اب حیران تہا کہ کہاں جاؤں۔ ایک شامی عرب سے جنکا نام **عبد الفتاح** تہا۔ کشتی میں تعارف ہوگیا تہا۔ میں نے اُنسے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ "آپ مجکو کوئی معقول طریقہ بتائیں"۔ اُنہوں نے کہا کہ "میری حالت بہی تمہارے قریب قریب ہے۔ اس لیئے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں"۔ یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تہا۔ لیکن ناواقفیت اور جنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا اور سچ پوچہیئے تو یہی اتفاقی معیت میری تمام آیندہ کامیابیوں کا دیباچہ تہی۔

یہاں مسافروں کے ٹہرنے کے چند طریقہ ہیں۔ سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو

ہوٹلوں میں ہے۔ لیکن اولاً تو اُنکا کرایہ ایک پونڈ یعنی عہ روپیہ روزانہ سے کم نہیں۔ دوسرے اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں جو استنبول سے دور ہے اور جامع مسجدیں۔ کتب خانے۔ مدرسے۔ مکاتب۔ جسقدر ہیں سب استنبول میں ہیں۔

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں۔ لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔ یہاں بڑی بڑی سراؤں میں جسقدر کمرے ہوتے ہیں عموماً وسیع اور پرفضا ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت نواڑ کا پلنگ۔ توشک۔ چادر۔ لحاف۔ اور اور ضروری چیزیں مہیا رہتی ہیں۔ ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ ہوتے ہیں اور فی پلنگ آٹھ دس آنہ کرایہ ہوتا ہے۔ تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں۔ یہ مکان دو منزلہ ہوتے ہیں

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں۔ یہ مکانات اکثر دو منزلے سہ منزلے ہوتے ہیں۔ ہر درجے میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں میز۔ کرسی۔ کوچ۔ لمپ۔ فرش۔ پلنگ۔ توشک۔ لحاف۔ تکیہ۔ مہیا رہتا ہے۔ کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہے۔ ان مکانوں کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں۔ وہ خود بھی انہیں مکانوں میں رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے مسافروں کو بہت کچھ آرام ملتا ہے۔

اگرچہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا کرایہ کا مکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا لیکن میں اور میرے شامی دوست دونوں اس طریقہ سے ناواقف تھے۔ اس لئے ایک خان یعنی سرائے میں جاکر ٹھہرے اس انتظام کیطرف سے اطمینان ہوا تو میں جہاز پر جاکر اپنا اسباب اٹھوا لایا چھ سات دن تک ہم اس خان میں رہے پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا

خوش قسمتی سے شیخ عبدالفتاح جن کے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی بڑے معزز خاندان کے آدمی نکلے۔ دمشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو اس قدر ارادت ہے کہ اُنکا نام نہیں لیتے بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے خاک ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت میرزا جان جاناں دہلوی کے مرید تھے۔ شیخ عبدالفتاح انہیں کے بھتیجے ہیں۔ اور اس تعلق سے لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں شامیوں کا ایک بڑا گروہ ہے دو ہی چار روز میں شیخ عبدالفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہو گئی اور اُن کے ذریعہ سے مجکو بھی اُن لوگوں سے تعارف ہوتا گیا۔

ایک دن شیخ علی ظبیان جن کے والد ایک مشہور صوفی ہیں۔ شیخ عبدالفتاح سے ملنے آئے میں بھی اُسوقت موجود تھا اور اتفاق سے رسالہ اسکات المعتدی جو میری قدیم تصنیف ہے اور عربی زبان میں ہے سامنے رکھا ہوا تھا اُنہوں نے اُٹھا کر دیکھا اور کہا کہ "آہا یہ سالہا مدت ہوئی ہیں نے دمشق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا اور اُنہوں نے اس کے مصنف کی نسبت کہا تھا "شکر اللہ مَسَاعِیَہٗ"۔ شیخ علی ظبیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اُٹھکر بڑی گرمجوشی سے ملا اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے مجکو اس بات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہاں تک پہنچی۔ اور لوگوں نے اسکو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی کس مپرسی ہیں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا شیخ علی ظبیان نوجوان آدمی ہیں۔ فقہ کی تحصیل شیخ عبدالرحمٰن سے کی ہی جو مصنف ردالمحتار (مشہور بہ شامی) کے

نواسے اور شاگرد تہے۔ اگرچہ انکو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے لیکن ادب میں زیادہ مہارت ہی
ایک غیر منقوطہ قصیدہ سلطان کی مدح میں پیش کیا تہا جسپر اُنکو صلہ وانعام بہی عطا ہوا
۔مدت سے درویش پاشا کے مہمان ہیں اور پاشاے موصوف اُن کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ
رکہتے ہیں۔ مجھ سے اُنکا تعلق روز بروز بڑہتا گیا یہاں تک کہ باوجود بُعد مسافت قریباً
ہر روز میرے مکان پر تشریف لاتے اور کبہی کبہی تمام دن میرے پاس رہتے شیخ عبد الفتاح
چندروز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے۔ اسوقت تنہائی میں شاید مجکو تکلیف پہنچتی لیکن
شیخ علی ظبیان کی غمگساریوں نے تمام ترددات دل سے دور کردیئے۔

مکان جو ہم نے کرایہ پر لیا تہا اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزوں تہا لیکن چونکہ
مکان کا مالک (عارضی) نہایت بدمعاملہ اور آوارہ مزاج تہا۔ چندروز کے بعد میں نے
دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا۔ یہاں۔ مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تہا
کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تہی۔ اگرچہ اُسکا مذہب عیسائی تہا اور قوم کی اٹالین
تہی تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تہی۔ اور مسلمانوں سے ایک خاص اُنس رکہتی تہی۔

کہانے پینے کے انتظام کی ہمکو کچھ ضرورت نہ تہی۔ ہوٹل اور دوکانیں کثرت سے ہیں
اور نہایت مرتب اور پر تکلف ہیں۔ بازار میں کہانا یہاں مطلق عیب نہیں میں نے اکثر
معزز عہدہ داروں کو ہوٹلوں میں کہاتے دیکہا۔ یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں مسلمانوں
کی دُکانیں بجز اس کے کہ میز و کرسی وہاں بہی ہوتی ہے۔ باقی اور باتوں میں ہندوستان
کی دکانوں سے مشابہ ہیں۔

جہاز پر جو میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا۔ قسطنطنیہ پہنچکر تمام ہوا۔ اس میں سفر کے حالات کا اجمالی خاکہ ہے۔ اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہوکر قصیدہ کے قصہ طلب حوالے بخوبی سمجھ سکیں گے اور اُنکو زیادہ لطف و مزہ آئیگا۔ میں اس قصیدہ کو بتمامہ یہاں نقل کرتا ہوں۔

قصیدہ

بہرِ تکمیل فن و ہم پے تحصیل عبر
روزگاریست کہ میداشتم آہنگ سفر

فارغ از حج و زیارت چو مرا کرد خدای
خواستم تا بسوے روم شوم راہ سپر

گرچہ من گرم طلب بودم و بس مستعجل
لیک تاخیر ہمی رفت بفرمان قدر

دیر آں مایہ شد آخر کہ حسوداں گفتند
کہ فلاں جز ہوس خام ندارد در سر

روم گوئی دو سہ گامست کہ ایں خام طمع
بے تکلف بسفر چست ببستست کمر

رہ چنیں دور و دراز و سفر ایں مایہ خطیر
چوں میسر شود آں را کہ نہ زورست نہ زر

من دریں غصہ و غم خوں جگر مے خوردم
ناگہاں شاہد مقصود در آمد از در

اتفاقے عجبے گشت مرا عقدہ کشای
کہ از و وہم و گماں نیز نمی داشت خبر

یک دو مہ پیشترک زانکہ زنم کوس رحیل
بودم از زحمت تپ خستہ دل و تفتہ جگر

چوں ستوہ آمدم از تپ بدل آمد کہ مرا
چارہ جز نقل مکاں ہیچ نباشد ایدر

عزم دیرینہ بیاد آمد و گفتم چہ خوش است
کہ بیک حیلہ دو تا کار برآرد داور

آرنلڈ آنکه رفیق ست وهم استاد مرا
گفتم این صحبت واین واقعه نادرفته
چون ازین داعیه مردم همه آگه گشتند
همه را مهر بجنبید و بدرد آمد دل ؟
دل بهجران منه وهم وفا راگذار
روزکی چند بیاسای وسپس سازیده
باخود از نقد وهم از متعه آن مایه بگیر
مصلحت نیست که این مرحله تنها سپری
گفتم این جمله که گفتید بود عین صلاح
مرد این مرحله گامی که فرا پیش نهاد
الغرض از رمضان بست وششم بود که من
اوفتادم بره کوه وبیابان یک چند
زحمتی صعب کشیدیم بکشتی دو سه روز
کس نیارست سرش باز گرفت از بالین
نبود مایهٔ آزار بسی گشتی چیزی
نان خورش بود زهر گونه مهیا ما را
گرچه من زان می پالوده نیالودم لب

هم درین عرصه بانگلنڈ همی خواست سفر
پس بعزم سفر از جای بجستم مضطر
هم بیاران وعزیزان وطن رفت خبر
جمله گفتند که این زحمت بیصرفه مبر
ور نخواهی که کشی پای ازین راه گذر
ساز وبرگ سفر آن گونه که باشد درخور
که اگر دیر بمانی نبود هیچ خطر
لاجرم خادمکی نیز بهمراه ببر
لیک طالب نبود در گرو نفع وضرر
باز پس می نکشد گر همه مرگ آرد بر
گرم برخاستم از جای وشدم راه سپر
پس بکشتی بنشستم من ویاران دگر
بسکه از موج بهر لحظه شدی زیر وزبر
کس نیارست جدا کردنش از بستر
غیر ازین محنت سه روزه کزو نیست مفر
از کباب بره ومرغ ومی ونقل وشکر
دیگران لیک علی الرغم؛ زدندی ساغر

من سوی شهر روان گشتم دیک یک دم
فرض آدینه ادا کردم و از بعد نماز
مجلسے از فقها بود دران جا و بهم
زان یکے رو بمن آورد که چونی چه کسے
گفتم از هندم و از خوان ادب لقمه ربای
گفت حالا سخن از متعه همیرفت و تو هم
من بپاسخ در معنے زدم و مستعمل
پس ز از میر روان گشتم و در عرض و درز
مختصر گفته ام این حرف و تو هم میدانی

مسجد و مکتب و بازار و ره و کوچه و در
در کتب خانهٔ سلطانیم افتاد گزر
بحث از متعه همیرفت و هم از قول عمرؓ
تا چرا بر زدهٔ دامن محنت بکمر
طرفی می برم از هر جهت و هر کشور
گر توانی۔ سخنے گو مے و مثالی آمد
لب بتحسین بکشادند پس از بحث و نظر
طے شد این راه و بپایان برسید این دفتر
که درین بادیه بس تنگ بود راه گزر

هر که جویا بود از حال من و رحلهٔ من ؒ
باید ش گفت که این نظم بخواند یکسر

قسطنطینہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات

قبل اس کے کہ میں یہاں کے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کروں ضروری ہے کہ نہایت مختصر طور پر اس کی قدیم تاریخ اور اس کے ساتھ اسکی عام موجودہ حالت اجمال کیساتھ بیان کروں۔ اس شہر کی ابتدائی تاریخ (یعنے جب وہ **بزنطاین** کے نام سے پکارا جاتا تھا) نہایت قدیم ہے۔ لیکن جس زمانہ سے اس کا نام قسطنطنیہ ہے اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گزرا

۳۳۶ء میں قسطنطین اعظم نے اس کی بنیاد ڈالی اور اسوقت سے محمد فاتح کے زمانہ تک وہ قیصران روم کا پایۂ تخت رہا۔ انگریزی اور حال کے اسلامی جغرافیوں میں اسکے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں۔ قدیم اسلامی جغرافیوں میں بہی اسکا ذکر ہے۔ لیکن ابن بطوطہ کے سوا مجکو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں جس نے اس زمانہ کے واقعات چشم دید لکہے ہوں ابن بطوطہ نے ۷۲۵ ہجری میں اس شہر کو دیکہا۔ اُس وقت یہاں عیسائی حکومت تہی وہ لکہتا ہے کہ "یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نہر کے حائل ہونیکی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہوگیا ہے۔ ایک حصہ جو نہر کے شرقی کنارہ پر ہے اسٹنبول کہلاتا ہے اور قیصر روم اور ارکان دولت و اُمرا۔ اسی حصہ میں رہتے ہیں۔ دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسمیں عموماً یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں جنکو قیصر زور اپنی اطاعت میں کہتا ہے"۔ ابن بطوطہ نے اِن سوداگروں کی وسعت تجارت کی تعریف اور اُنکے چھچھلے پن کی ہجو کی ہے۔ وہ لکہتا ہے کہ "جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو چہوٹی چہوٹی کشتیوں کے علاوہ قریباً سو بڑے بڑے جہاز موجود تہے۔ لیکن تمام بازار نہایت بخس و کثیف ہیں اور گرجے تک اس سے مستثنےٰ نہیں"[۱]

مسلمانوں نے قرن اوّل ہی میں اسکو تسخیر کی نگاہ سے دیکہا تہا۔ چنانچہ سب سے اول جس نے اس کی شہر پناہ کے آہنی دروازہ پر تلوار ماری وہ عبداللہ بن المطلب۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا سپہ سالار تہا۔ اس کے بعد اور خلفا و سلاطین نے بہی اسپر حملے کیئے لیکن قیصران روم کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہونیوالا تہا جس نے ۸۵۷ ہجری میں اس عظیم الشان سلطنت کا دارا

---

[۱] ابن بطوطہ کے بیان کو ہمنے اس لحاظ سے نقل کیا ہے کہ موجودہ حالت سے موازنہ کرسکیں۔

صلیب کے بجاے علم اسلام بلند کیا۔ اس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بندرگاہ کا راستہ دریا کی طرف سے روک رکھا تھا۔ ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اُسپر پانچ میل تک لکڑی کے تختے بچھا دیئے اور جہازوں کو جن میں پہیئے لگاے تیے اسپر چلا کر تمام فوجیں گولڈن ہارن میں اُتار دیں۔ اسوقت اس نامور فاتح کی عمر کل ۲۳ برس کی تھی۔ اس فتح کا مادۂ تاریخ "بلدۃ طیبۃ" ہے۔

موجودہ حالت

موجودہ حالت یہ ہے کہ ابناے باسفورس کی شاخ جو دور تک چلی گئی ہے شہر اس کے دو کناروں پر آباد ہے اور اسوجہ سے اس کے دو حصے بن گئے ہیں ایک حصہ استنبول کہلاتا ہے اور تمام بڑی بڑی مسجدیں۔ کتب خانے۔ سلاطین کے مقبرے۔ اسی حصہ میں ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی بھی کثرت سے یہیں ہے۔ دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے اور اس کے انتہائی جانب پر شکطاش وغیرہ واقع ہیں جہاں سلطان کا ایوان شاہی اور قصر عدالت ہے۔ پیرہ کی دوسری طرف غلطہ ہے اور چونکہ تمام بڑے بڑے یورپین سوداگر اور سفراے سلطنت یہیں سکونت رکھتے ہیں اُسکو یورپین آبادی کہنا زیادہ مناسب ہے۔

موقع اور منظر کی خوبی

کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کی برابر خوش منظر نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشنما ہونا خیال میں بھی نہیں آتا۔ اسی لحاظ سے اس کی بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی سُنہری سینگ کہتے ہیں۔ کہیں کہیں عین دریا کے کنارے پر عمارتوں کا سلسلہ ہے اور دور تک چلا گیا ہے۔ عمارتوں کے آگے جو زمین ہے

اور نہایت ہموار اور صاف ہے اس کی سطح سمندر کی سطح کے بالکل برابر ہے اور وہاں عجیب خوشنما منظر پیدا ہو گیا ہے۔

وسعت اور تمدن

شہر کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں ۵۰۰ جامع مسجدیں ۱۷۱ حمام ۲۲۴ سرائیں۔ ۱۶۴ مدارس قدیم۔ ۵۰۰ مدارس جدید۔ ۱۲ کالج۔ ۴۵ کتب خانے ۵۰۰ خانقاہیں۔ ۴۸ چھاپے خانے ہیں کاروبار اور کثرت آمد و رفت کی یہ کیفیت ہی کہ ۴۰۰۰ سعد د گھوڑے گاڑیاں۔ بارہ دخانی جہاز۔ زمین کے اندر کی ریل۔ معمولی ریلیں (جو ہر آدھ گھنٹے کے بعد چھوٹتی ہیں) ہر وقت چلتی رہتی ہیں اور باوجود اسکے سڑکوں پر پیادہ پا چلنے والوں کا اسقدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت میلہ سا معلوم ہوتا ہے غلطہ اور استنبول کے درمیان میں جو پل ہے اُسپر سے گزرنے کا محصول فی شخص ایک پیسہ ہے اسکی روزانہ آمدنی پانچ چھہ ہزار رُپے سے کم نہیں ہے۔

قہوہ خانے

قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں۔ میرے تخمینہ میں چار پانچ ہزار سے کم نہوں گے بعض بعض نہایت عظیم الشان ہیں جن کی عمارتیں شاہی محل معلوم ہوتی ہیں۔ قہوہ خانوں میں ہمیشہ ہر قسم کے شربت اور چاے وقہوہ وغیرہ مہیا رہتا ہے۔ اکثر قہوہ خانے دریا کے ساحل پر اور بعض عین دریا میں ہیں جن کے لیئے لکڑی کا پل بنا ہوا ہے۔ قہوہ خانوں میں روزانہ اخبارات بھی موجود رہتے ہیں۔ لوگ قہوہ پیتے جاتے ہیں اور اخبارات دیکھتے جاتے ہیں۔ قسطنطینہ بلکہ ان تمام ممالک میں قہوہ خانے ضروریات زندگی میں محسوب ہیں۔ میرے عرب احباب جب مجھ سے سنتے تھے کہ ہندوستان میں اسکا رواج نہیں تو

تعجب سے کہتے تھے بابیٹس میتسلون یعنے وہاں لوگ جی کیونکر بہلاتے ہیں۔ اُن ملکوں میں دوستوں کے ملنے جلنے اور گرمی صحبت کے موقعے یہی قہوہ خانے ہیں۔

افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو ان باتوں کا ذوق نہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ اس قسم کی عام صحبتیں زندگی کی دلچسپی کے لیئے کسقدر ضروری ہیں۔ اور طبیعت کی شگفتگی پر انکا کیا اثر پڑتا ہے۔ دوستانہ مجلسیں ہمارے ہاں بھی ہیں۔ جسکا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے مکان پر دو چار احباب کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس طریقہ میں دو بڑے نقص ہیں۔ اوّلاً تو تفریح کے جلسے پُرفضا مقامات میں ہونے چاہئیں کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے صحت بدنی کو فائدہ پہنچے۔ دوسرے سخت خرابی یہ ہے کہ چونکہ یہ جلسے پرویٹ جلسے ہوتے ہیں اس لیئے اُن میں غیبت شکایت اور اس قسم کی لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بخلاف قہوہ خانوں کے جہاں مجمع عام کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا موقع نہیں ملسکتا۔ قسطنطنیہ اور مصر میں۔ میں ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانوں میں بیٹھا کرتا تھا لیکن میں نے کبھی اس قسم کے تذکرے نہیں سُنے۔ تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہاں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

یورپین اور ایشیائی تمدن کے نمونے

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی کو یورپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر۔ ایک مرقع میں دیکھنی ہو تو یہاں دیکھ سکتا ہے۔ کتب فروشوں کی دکانوں کی سیر کرو تو ایک طرف ایک نہایت وسیع دکان ہے۔ سنگ مرمر خام کا فرش ہے۔ شیشہ کی نہایت خوبصورت الماریاں ہیں۔ کتابیں جسقدر ہیں مجلد۔ اور جلدیں بھی معمولی نہیں بلکہ عموماً مطلا و مذہب۔ مالک

مالک دوکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہے۔ دو تین کم سن خوش لباس لڑکے اِدھر اُدھر کام میں لگے ہیں۔ تم نے دکان میں قدم رکھا ایک لڑکے نے کرسی لاکر سامنے رکھدی اور کتابوں کی فہرست حوالہ کی۔ قیمت فہرست میں مذکور ہے اور اُس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔

دوسری طرف سڑک کے کنارے چبوتروں پر کتابوں کا بیقاعدہ ڈھیر لگا ہے زمین کا فرش اور وہ بھی اسقدر مختصر کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجایش نہیں۔ قیمت چکانیس گھنٹوں کا عرصہ درکار ہے۔

اسی طرح ہر پیشہ وصنعت کی دُکانیں۔ دونوں نمونہ کی موجود ہیں۔ عام صفائی اور زیب وزینت کا بھی یہی حال ہے۔ غلطہ کو دیکھو تو یورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دُکانیں بلند اور آراستہ۔ سڑکیں وسیع اور ہموار۔ کیچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں۔ بخلاف اس کے استنبول میں جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے اکثر سڑکیں ناصاف اور بعض بعض جگہ اسقدر ناہموار کہ چلنا مشکل۔

اس شہر میں آکر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سب سے پہلے آتا ہوگا وہ یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے دو حصوں میں اسقدر اختلاف حالت کیوں ہے؟ چنانچہ میرے دل میں سب سے پہلے یہی خیال آیا۔ میں نے اس کے متعلق بہت کچھ بحث و تفتیش کی۔ باشندوں کے اختلاف حالت کا سبب تو میں نے آسانی سے معلوم کرلیا یعنی مسلمانوں کا افلاس اور دوسری قوموں کا تموّل۔ لیکن سڑکوں اور گزرگاہوں کی ناہمواری وغلاظت کا بظاہر یہ سبب قرار نہیں پاسکتا تھا اس لیئے میں نے ایک معزز ترکی افسر یعنی

حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے دریافت کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہماری مینوسپلٹی کے ٹیکس بہت کم ہیں۔ بہت سی چیزیں محصول سے معاف ہیں۔ لیکن غلطہ میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لیئے مینوسپلٹی اُن رقموں کو فیاضی سے صرف کر سکتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ وہی غلطہ ہے جس کی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلے پن کی سخت شکایت کی ہے۔ یا اب اُنکو صفائی و پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اس کے لیئے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل یورپ کا خمیر بنگیا ہے۔

عمارتوں کی وضع

یہاں کی عمارتیں ہندوستان کی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ چو منزلہ ہیں۔ صحن مطلق نہیں ہوتا۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے اُمرا اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مہینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جلکر تباہ نہوں اور کبھی کبھی تو محلے کے محلے جلکر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔

آتش زدگی

آگ بجھانے کے لیئے سلطنت کی طرف سے نہایت اہتمام ہے۔ کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں۔ ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے جسپر چند ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جسوقت کہیں آگ لگتی دیکھیں فوراً خبر کریں۔ اِس قسم کے اور بھی چھوٹے چھوٹے منارے جابجا بنے ہوئے ہیں جس وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توپیں سر ہوتی ہیں اور شہر کے ہر حصے سے آگ بجھانے والے ملازم تمام آلات کے ساتھ موقع پر پہنچ جاتے ہیں انکو حکم ہے کہ بے تحاشا دوڑتے جائیں یہاں تک کہ اگر کوئی راہ چلتا اِن کی جھپٹ میں آکر

پس جائے تو کچھ الزام نہین۔ مین نے لوگون سے دریافت کیا کہ تہہ کی عمارتین کیون نہین بنتین۔ معلوم ہوا کہ سردی کے موسم مین سخت تکلیف ہوتی ہے اور تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے۔

آب وہوا۔ آب وہوا یہان کی نہایت عمدہ ہے۔ جاڑون مین سخت سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی برف بھی گرتی ہے۔ گرمیون کا موسم جسکا مجھکو خود تجربہ ہوا اسقدر خوشگوار ہے کہ بیان نہین ہو سکتا تعجب ہے کہ ہمارے یہان کے امرا شملہ او نینی تال کے بجائے قسطنطنیہ کا سفر کیون نہین کرتے۔ پانی پہاڑ سے آتا ہے اور نہایت ہاضم اور خوشگوار ہے۔

میوہ جات۔ ہر قسم کے میوے کثرت سے ہین اور خصوصاً انگور اور خربزہ بے مثل ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے خربزے لطافت مین تو شاید بڑھکر ہون لیکن شیرینی مین یہان کے خربزونکی برابری نہین کر سکتے۔ امرود جسکو اہل عرب انجاس کہتے ہین عجیب مخروطی شکل کے ہوتے ہین رنگ مین تو نہین لیکن صورت مین گاجرون سے مشابہ۔ مگر نہایت شیرین اور لذیذ۔ سیب کابل کے سیب سے بڑے اور زیادہ شیرین۔ ایک میوہ یہان ہوتا ہے جسکو شمشمش کہتے ہین۔ وہ ہمارے ہان کی جامن سے کچھ مشابہ ہے۔ ہر قسم کے میوے نہایت ارزان ہین۔ انگور ۲ سیر تک آتے ہین۔ سیب عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو وعلیٰ ہذا۔

لباس اور وضع۔ لباس اور وضع بالکل یورپین ہے۔ ظاہری ہیئت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہین ہو سکتا۔ لال ٹوپی جو ترکون کا امتیازی لباس ہو سکتا تھا عیسائی اور یہودی

سبھی استعمال کرتے ہین اور اسوجہ سے دونون قومون مین امتیاز کا کوئی ذریعہ نہین
یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہے کیونکہ دنیا کی مختلف قومون مین اختلاف کے آثار جسقدر
مٹتے جائین تمدن کے لئے مفید ہے۔ لیکن سوشیل ضرورتون مین اس سے سخت حرج ہوتا ہے
مجھکو اسکی وجہ سے اکثر دشواریان پیش آئین۔ اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے
اگر عیسائیون کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا۔ تعجب یہ ہے کہ یہان
مذہبی گروہ یعنی علما اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہین بچ سکے۔ انکے پائجامون مین
پتلون کی طرح بٹن ہوتے ہین صرف یہ فرق ہے کہ اوپر گھیر ہوتا ہے اور خوبصورتی کے
ساتھ چنٹین ہوتی ہین۔ کرتہ یا اچکن کے بجاے صرف وایسکوٹ ہوتی ہے۔ وایسکوٹ
کے اوپر عبا پہنتے ہین اور یہی امتیازی علامت ہے جو انکو اور گروہ کے آدمیون سے الگ کرتی
ہے۔ اسمین بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے تکمے نہین لگاتے۔ اور سامنے سے
وایسکوٹ کھلی رہتی ہے۔ ترکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہین لیکن اسپر سپید کپڑے
کی ایک وہجی لپٹی ہوتی ہے جسکو عربی مین لفہ کہتے ہین اور وہ اہل علم کی خاص علامت
خیال کیجاتی ہے۔ عورتون کے لباس کی تفصیل مین عورتونکی تہذیب و معاشرت کی ذکر مین لکھونگا۔

جوامع اور شاہی ایوانات۔

یہان کی عمدہ اور یادگار عمارتین۔ جامع مسجدین۔ اور شاہی ایوانات ہین۔ جامع مسجدون
کا ذکر کسیقدر تفصیل کے ساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا شاہی ایوانات کو یہان
سراے کہتے ہین۔ انکی تعداد بیس یا اکیس ہے اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہین۔
یہ عمارتین مختلف سلاطین کے عہد کی ہین اور نہایت عظمت و شان کی عمارتین ہین۔ ایک ایوان

عین لب دریا ہے جو سرتاپا سنگ رخام کا ہے اور نہایت وسیع۔ بلند۔ خوشنما ہی۔ حال مین شہنشاہ جرمن۔ سلطان کا مہمان ہوا تھا تو اسی ایوان مین ٹھہرا تھا۔

کوئی ٹاون ہال نہین۔

یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ تمام شہر مین کوئی ٹاون ہال نہین۔ پبلک گارڈن یعنی باغ عامہ بہی ایسا مختصر ہے کہ اس عظیم الشان دار السلطنت کے لیے کسیطرح موزون نہین۔

عدالتین

عدالتین (بجز دو تین کے) سب یکجا واقع ہین اور اس مجموعی عمارت کو باب عالی کہتے ہین۔ وزیر اعظم کا محکمہ بہی یہین ہے۔ یہ عمارتین چندان شاندار نہین ہین۔ ہائی کورٹ جسکو یہان محکمۂ التمئیز کہتے ہین باب عالی سے فاصلے پر ہے۔ مین اسکے اندر تو نہین گیا لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے۔ پولس کمشنر کی عدالت غلطہ مین ہے۔ مین نے اسکی اچھی طرح سیر کی۔ عمارت چندان قابل ذکر نہین ہے۔ لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہی۔ اجلاس کے کمرے مین بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے کرسیان بہی نہایت خوبصورت اور موزون ہین۔ معارف یعنی سررشتہ تعلیم کا محکمہ بہی مین نے دیکھا۔ معمولی عمارت ہے لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

ترقی تعلیم کالج اور اسکول

تعلیم

اس دور دراز سفر سے کتب خانون کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تہا تو یہان کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تہا چنانچہ مین نے اسپر نسبت اور تمام باتون کے زیادہ توجہ کی اور جہانتک ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا۔ لیکن ناظرین کو

یہ امید نکرنی چاہیے کہ مین اپنے مقاصد مین پورا کامیاب بہی ہوا اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی۔ تحقیقات کے لئے مین جو کوششین کر سکتا تہا وہ یہ تہین کہ چند بار سررشتہ تعلیم کے دفتر مین گیا۔ افسرانِ تعلیم سے تحقیق طلب باتین دریافت کین۔ ٹبرے بڑے کالج اور اسکول خود جاکر دیکھے۔ ٹیچرون پروفیسرون سے ملا۔ کالجون کی سالانہ رپورٹین حاصل کین۔ لیکن یہان ان تمام کوششون پر بہی پوری کامیابی حاصل نہین ہوسکتی۔ ترکون مین عجیب دستور ہے کہ وہ ہر ایک بات کو پالٹیکس کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور اسوجہ سے کسی معاملہ کا منظر عام مین آنا پسند نہین کرتے۔ سررشتہ تعلیم کی رپورٹ جو سالنامہ کے ساتہ شایع ہوتی ہے نہایت مختصر اور محض مجمل ہوتی ہے۔ یہان تک کہ مصارف تعلیم اور پروفیسرون اور ٹیچرونکی تنخواہون کا ذکر تک نہین ہوتا۔ بعض بعض کالجون مثلاً مکتب حربیہ و مکتب سلطانی کی جداگانہ رپورٹین شایع ہوتی ہین۔ لیکن انہین نتائج امتحان اور نصاب تعلیم کے سوا اور کچھ نہین ہوتا۔

اوّل اوّل مجھکو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تہے اسلئے یہ حالات کم معلوم ہوسکے لیکن جب مین نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑہی تو تسکین ہوگئی۔ اُس نے جہان ترکی کا ذکر کیا ہے اور اسکی تمدنی و تعلیمی ترقیون کا حال لکھا ہے۔ نہایت اجمال سے کام لیا ہے۔ اور یہ معذرت کی ہے کہ "مین نے ترکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابونکے ذریعے سے لکھے اور اسوجہ سے مفصل نہ لکھ سکا۔ لیکن مسلمانون کی تحریرات مین اسقدر بھی نہین مل سکتا"۔ اس تمہید اور معذرت کے بعد مین اصل مطلب شروع کرتا ہون۔

قسطنطنیہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ مین تعلیم کے دو طریقے ہین قدیم و جدید۔ قدیم تعلیم

تعلیم قدیم۔ ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ چنانچہ آرخان المتوفی ۷۶۱ھ نے جو اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ تھا ازنیق مین ایک مدرسہ قایم کیا اور یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ مین قایم ہوا۔ ارخان کے بعد اور سلاطین نے حوصلہ شاہانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سیکڑون دار العلوم اور مدرسے قایم کیئے۔ چنانچہ ہمارے رسالہ مسلمانون کی گزشتہ تعلیم مین اسکی پوری تفصیل موجود ہے۔

تعلیم جدید۔ نئی تعلیم کی تاریخ اسوقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب ترکی حکومت ایشیائی قالب چھوڑکر یورپین قالب مین آئی۔ اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا جسنے اوّل اوّل یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپ کے طرز پر آراستہ کیا۔ اسی مجدّد نے ۱۲۵۰ھ مین مکتب حربیہ کی بنیاد ڈالی جو تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا۔ یہ کالج اب بھی موجود ہے اور تمام حربی مدارس کا مرکز ہے۔ سلطان محمود کے بعد سلطان عبد المجید نے ۱۲۶۱ھ مین جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی اور مکاتب رشدیہ قایم کیئے۔ اس عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے اور روز افزون ترقی کر رہی ہے۔ تعلیم جدید کے چار درجے قرار دیئے گئے ہین۔

ابتدائی تعلیم۔ ابتدائیہ۔ اسکی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے۔ لیکن ذہین اور ہوشیار طالبعلم دو تین بلکہ برس دو برس مین بھی اسکو ختم کر کے اوپر ترقی کر سکتا ہے اسمین قرآن مجید۔ ترکی زبان عربی کا املا۔ خط۔ حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے۔

رشدیہ۔ رُشدیہ۔ مدت تعلیم تین برس۔ اسمین ترکی املا۔ مفردات زبان ترکی۔ نحو ترکی۔ عقاید اسلام بزبان ترکی۔ حساب چارون حصے۔ فرنچ زبان۔ عربی زبان۔ جغرافیہ۔ اقلیدس۔ کاغذات تجارت کے اصول۔ نقشہ کشی کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ درجہ تقریباً ہمارے ہان کے

مڈل کی برابر یا اس سے کچھہ بڑہکر ہے۔

اعدادیہ اور اسکے طلبا کی تعداد۔

رشدیہ کے بعد **اعدادیہ** ہے جسکو انٹرنس کہا جا سکتا ہے۔ اس کلاس کے طالبعلمونکی مجموعی تعداد ۱۸۹۲ء مین ۵۲۱۵ تھی۔ اسمین تمام اضلاع اور خود پایہ تخت کے مدارس شامل ہین۔ اعدادیہ کے بعد خاص خاص کالج ہین مثلاً مکتب ملکیہ۔ مکتب الحقوق وغیرہ جنکا مفصل بیان آگے آئیگا۔ ہر قسم کے عام وخاص مدرسے جو قسطنطنیہ مین ہین انکی تعداد پانسو ہے[1] جنمین ۱۳ بڑے بڑے کالج ہین۔

سلطان حال کے زمانہ مین تعلیم کی ترقی

یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطان حال کے عہد مین تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے اور روز بروز کرتی جاتی ہے۔ سلطان کی تخت نشینی کے وقت مدارس رشدیہ کی تعداد ۹۲ تھی لیکن اب ۵۰۴ ہے۔ ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزدہ سالہ حکومت مین قایم ہوئے انکی تعداد دو ہزار ہے اسکے ساتھ اسکولون اور کالجون مین طالبعلمون کی تعداد اس کثرت سے بڑہتی جاتی ہے کہ ترقی تعلیم کی سال ماقبل کی رپورٹ سال مابعد سے کچھ نسبت نہین رکھتی پروفیسر ومبیری نے اب سے چند برس پہلے ترکون کی عام ترقی پر جو لکچر دیا اسمین مکتب الحقوق (قانونی کالج) کے طالبعلمونکی تعداد تین سو بیان کی ہے۔ لیکن مین جب قسطنطنیہ مین تھا تو اس کالج مین بارہ سو طالبعلم موجود تھے۔

تعلیم کے سالانہ مصارف۔

مین نے زمانہ قیام مصر مین **قاہرہ** کے مشہور اخبار المؤید مین پڑہا تھا کہ سلطان حال نے جب عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی تو مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے۔ لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہین،، یہ رقم ہمارے ہان کے ایک کرور بیس لاکھ کے

[1] از قاموس الاعلام ۱۲

مساوی ہے۔

حقیقت مین **سلطان** کو تعلیم کے ساتہ عجیب دلچسپی ہے۔ **مکتب ملکیہ** اور مکتب الحقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہین خاص سلطان کے قایم کردہ ہین۔ حضرت ممدوح کو ان کالجون کی طرف یہ التفات ہے کہ چند بار بنفس نفیس انکے معائنہ کو تشریف لا چکے ہین۔ جس زمانہ مین مین قسطنطنیہ مین تہا۔ حضرت ممدوح نے تمام بڑے بڑے کالجون کے طالبعلمون کی شاہانہ دعوت کی۔ قسطنطنیہ مین کاغذخانہ ایک مشہور سیرگاہ ہے۔ جہان ہفتہ مین ایک بار تماشائیون کا مجمع ہوتا ہے یہ مقام دعوت کے لئے تجویز کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے لڑکے باری باری وہان بلائے جائین سب سے پہلے مکتب حربیہ۔ پہر مکتب ملکی (سول سروس کالج) اور دوسرے کالجون کے طلبا مدعو ہوئے۔ طالب علم کالج سے چلتے تھے تو سلطان کے حکم کے موافق شاہی بینڈ انکے آگے آگے بجا جاتا تہا۔ چونکہ مصالح ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان جلسون مین شریک نہین ہو سکتے تہے۔ ہمیشہ انکی طرف سے۔ ایک وزیر۔ شریک دعوت ہوتا تہا۔ اور طالب العلمون کو سلطان کا سلام پہنچاتا تہا۔ اسوقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے **بادشاہم چوق یشا** کا نعرہ بلند کرتے تہے۔ (یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے)۔

مکتب العشائر

تعلیم کے صیغہ مین ایک نہایت مفید ایجاد جو حال مین **سلطان** کی خاص تجویز سے ہوئی وہ **مکتب العشاریہ** کا قایم ہونا ہے۔ اگرچہ اسوقت تمام ممالک عثمانیہ مین تعلیم کو ترقی ہو لیکن ابتک عرب کی قبائل اس فیض سے قریباً بالکل محروم تہی جسکی وجہ خود انکی بے پروائی اور بدویت تہی۔ اس

ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لیئے ایک کالج - اور اسکے ساتھ ایک وسیع اور مرتب بورڈنگ قایم کرنیکا حکم دیا۔ میرے زمانہ قیام ہی مین حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوئے تھے کہ حجاز - یمن - دیار بکر - بصرہ - بغداد - طرابلس الغرب - حلب - موصل - شام - مین عرب کے جو معزز قبائل ہین انکے لڑکے انتخاب کر کے بھیجے جائین - سلطان نے انکے ہر قسم کے مصارف - حکومت کی طرف سے دینے منظور کیئے - ۱۲ - ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو یہ کالج بڑی شوکت وشان کے ساتھ کھولا گیا اور افتتاحی رسمین ادا کی گئین - عربونکی تہذیب وتربیت کیلئے ایسی عمدہ کوشش کی نظیر تمام اسلامی تاریخ مین نہین مل سکتی :

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت **دار الشفقۃ** سے ملتا ہے جو خاص یتیمون کیلئے قایم ہوا ہے اس مدرسہ مین ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہین - اور یہ سب بورڈر ہین اس گروہ کثیر کے خوراک - لباس - اور تمام دوسرے ضروری مصارف کا بار سررشتہ تعلیم پر نہین بلکہ سلطان المعظم کی ذات خاص پر ہے -

کالجون اور اسکولون مین سے جو زیادہ تر قابل ذکر ہین وہ یہ ہین -

مکتب حربیہ شاہانہ -
مکتب سلطانیہ -
مکتب ملکیہ -

چونکہ مین نے ان کالجون کو خود دیکھا ہے اور انکے طریقہ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کیئے ہین اسلیئے آگے چلکر انکو جداگانہ عنوان سے لکھونگا۔

مکتب الحقوق یعنی قانون کالج

اس کالج مین مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہین: فقہ - اصول فقہ - رومن لا - قانون تجارت - اصول محاکمہ - تعزیرات - قانون بحری - پولیٹیکل اکانومی - یعنی سیاست مدن - قوانین سلطنتہائے یورپ - مختصر طور پر قانون کی

ایجاد کی تاریخ اور اُس کے عہد بعہد کی ترقیاں۔ طالبعلموں کی کل تعداد بارہ سو ہے جن میں چھ سو بورڈر ہیں۔ یہاں کے تعلیم یافتہ منصف اور صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں مدت تعلیم چار برس ہے۔

مکتب الہندسہ — مدت تعلیم چھ برس۔ یہ رڑکی کالج کے مشابہ ہے۔

مکتب اللسان۔ اس میں جرمن۔ فرنچ۔ یونانی۔ ارمنی۔ لاٹین۔ اٹالین۔ روسی زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔

مکتب الصناعۃ یعنی ٹکنیکل اسکول۔ اسکا سالانہ خرچ ۸۲۵۰ پونڈ یعنے ۱۲۳۷۵۰ روپیہ ہیں طالب علموں کی تعداد ۲۴۰ ہے اور یہ کل یتیم لڑکے ہیں۔ ان کے مصارف خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں اب تک حدادی نجاری وغیرہ سکھلائی جاتی تھی۔ لیکن سال گذشتہ میں مہتمم مدرسہ توفیق بک آفندی نے درخواست کی کہ کلوں کا کام سکھلایا جائے۔

مکتب نواب — یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے زمانہ ماقبل میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے اُن کے لیئے کسی قسم کی خاص تعلیم میں امتحان دینا مشروط نہ تھا۔ اب یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہو وہ

شرعی مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس طریقے نے سعی سفارشوں کی تقرریوں کا راستہ بالکل مسدود کر دیا ہے۔ اس کالج میں فقہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ تعلیم جدید کی بعض چیزیں بھی اضافہ کی گئیں ہیں۔ تاکہ موجودہ زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو۔

مکتب بحریہ

اس میں فن جہازرانی کی تعلیم ہوتی ہے۔

مکتب الزراعۃ

طریقہ تعلیم کے متعلق قابل لحاظ امور

طریقہ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

فرنچ زبان کا لازمی ہونا

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجوں اور اسکولوں میں فرنچ زبان لازمی ہے جسکا یہ نتیجہ ہے کہ تعلیم جدید کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فرنچ زبان سے ناآشنا نہیں ملسکتا۔

سائنس و فنون کی تعلیم۔

(۲) تمام بڑے بڑے کالجوں میں۔ فزیکس۔ کمسٹری۔ جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی ہے اور اِن علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان فنون کے آلات مہیا رہتے ہیں۔

تاریخ کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مکتب ملکیہ کا کورس میں نے دیکھا تھا۔ چھ ضخیم جلدوں میں ہے جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے۔ اس کے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے جو غلطیاں کی ہیں اُن سے بحث اور انپر ردو قدح ہوتی ہے

علوم جدیدہ کی تعلیم ترکی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے

(۴۴) بجز مکتب سلطانیہ کے جسمیں عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں۔ باقی اور تمام مدارس میں ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑہائے جاتے ہیں۔ تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمیہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور ارباب الرائے نے اس بحث میں نفی کا پہلو اختیار کیا ہے لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کے ساتہہ مخصوص ہیں جہاں کی ملکی زبان گورنمنٹ کی زبان نہیں ہے۔ ٹرکی زبان سلطنت کی زبان ہے اور اس کی مثال تمام دنیا میں نہیں مل سکتی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم و فنون حاصل کر کے ترقی کی ہو۔ انگلستان کی نشو و نما اسوقت شروع ہوئی جب علوم و فنون لیٹین سے انگریزی زبان میں منتقل ہو کر آئے۔ اور اور کچہہ شبہہ نہیں کہ ٹرکی کی ترقی بہی اگر ہو سکتی ہے تو ملکی ہی زبان کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے

بورڈنگ کا طریقہ

(۵) تعلیم و تربیت کے معاملہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل عزت ہے وہ بورڈنگ سسٹم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی نہایت فخر سے اس بات کا دعوی کر سکتی ہے کہ اس نے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتہہ بورڈنگ ہیں اور ان میں نہایت کثرت سے طلبا رہتے ہیں۔ لیکن یہ التزام ہے کہ خوراک۔ لباس۔ وضع۔ مکان۔ فرنیچر۔ تمام چیزیں ایک سی ہوں۔ اور طالب علموں کی حالتوں میں فرق مراتب کا کوئی شائبہ نہو۔ بورڈنگ کا کرایہ اور خوراک کی جو فیس لیجاتی ہے اس کے ساتہہ کپڑوں کے دام بہی لیئے جاتے ہیں اور طالب علموں کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے طیار ہوتے ہیں تمام لڑکے میز اور کرسیوں پر کہاتے ہیں اور ہر چیز میں تکلف صفائی۔ خوش سلیقگی کا نہایت

اہتمام کیا جاتا ہے فیس کی تعداد کسی کالج میں ۵ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے اور مکتب سلطانیہ میں ۴۰ پونڈ یعنے چھ سو روپیہ سالانہ ہے۔

ترکوں کی یہ عجیب قابل قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس کے۔ غربا ان کالجوں کے فیض سے محروم نہیں ہیں۔ ہر کالج میں غریب طالب علموں کی متعدد بہ تعداد ہے۔ اور دولتمند ترکوں کی طرف سے ان کو اسقدر امداد دیجاتی ہے کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کر سکتے ہیں۔ مکتب سلطانی جس کی فیس چالیس پونڈ سالانہ ہے اسمیں ۲۰۰ طالب علم غریب اور کم مقدور ہیں ان میں سے ڈیڑھ سو طالب علموں کی فیس امرا اور اراکین حکومت ادا کرتے ہیں اور پچاس کی سلطان اپنی جیب خاص سے عطا فرماتے ہیں۔ اسکا یہ اثر ہے کہ کالج کے احاطہ میں جاکر کوئی شخص کسی طرح تمیز نہیں کر سکتا کہ فلاں طالب علم غریب اور کم مقدور ہے۔ طالب علموں کی یکساں حالت۔ ان میں اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہے اور غربا کو اعلیٰ درجہ کی معاشرت کا حاصل ہونا۔ ان میں حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہے یورپ کے بڑے بڑے کالجوں میں یہ بڑی کمی ہے کہ کم مقدور لوگوں کو ان کی فیاضی سے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ ترکوں نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے اور نہایت خوبی سے کیا ہے بورڈنگ کا یہ طریقہ دیکھکر مجکو اپنا مدرسۃ العلوم یاد آتا تھا۔ اور میں اس کے بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا لیکن میرا افسوس درحقیقت مدرسۃ العلوم کی حالت پر نہ تھا۔ بلکہ قوم کے ان بزرگوں پر تھا جنکو خدا نے دولت اور مقدور دیا ہے لیکن یہ توفیق نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اسباب کی کوشش کریں کہ ہماری تعلیم گاہ میں غربا اور اہل مقدرت ایک ہی بلند

سطح پر نظر آئیں۔ میں علانیہ کہتا ہوں کہ ہمارے قومی کالج میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس۔ وضع۔ خوراک۔ مکان۔ فرنیچر۔ کلیتہً ایک کردیا جائے۔ اور جو مختلف سطحیں آج کالج میں قائم ہیں بالکل مٹادی جائیں۔ اگر نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہیں۔

طالب علموں کا لباس

یہاں کالجوں اور اسکولوں میں ایک اور جدت ہے اور نہایت مفید اور موثر ہے وہ یہ کہ ہر طالب علم کے کوٹ کے گریبان پر سنہری کلابتون میں اُس کالج یا اسکول کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہے جس میں وہ تعلیم پاتا ہے۔ کلابتون کے حرف اُبھرے ہوئے اور اعلیٰ درجے کے خط نسخ کی مطابق ہوتے ہیں۔ چار بجے کے قریب کالجوں اور اسکولوں کی گذرگاہوں پر جاؤ تو عجیب دلفریب سیر نظر آتی ہے۔ غول کے غول لڑکے مدرسوں سے نکلکر متعدد صفوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور اس ترتیب اور انتظام سے چلتے ہیں۔ کہ گویا باقاعدہ فوج جارہی ہے۔ لڑکوں کا سُرخ و سپید رنگ اُسپر سیاہ کوٹ اور کوٹوں کے گریبان پر کالجوں کا زریں طغرا اسقدر خوشنما معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

اس طریقے سے علاوہ زیب و زینت اور شان و شوکت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالبعلم سیر و تماشہ کی غرض سے بازار میں نکلتے ہیں تو کوئی نامناسب حرکت نہیں کرسکتے۔ کالج کا لباس جسکا ہر وقت پہننا لازمی ہے پہچنوا دیتا ہے کہ وہ طالب العلم ہیں۔ اس لیئے خواہ مخواہ انکو کالج کے ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اسپر بھی اگر کوئی لڑکا کسی ناروا صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی کا مرتکب ہو تو پولیسمین پکڑکر اسکو اس کالج یا اسکول میں پہنچا آئیگا جہاں وہ تعلیم پاتا ہے۔

یہاں کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ الگ الگ کمرے نہیں ہوتے بلکہ پچاس پچاس ساٹھہ ساٹھہ لڑکوں کے لئے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس میں اُنکی تعداد کے موافق پلنگ بچھے ہوتے ہیں۔ ہر پلنگ کے سرہانے ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہے جس میں معمولی کپڑے اور کتابیں آجاتی ہیں۔ میں نے اول اول یہاں کے بورڈنگ دیکھے تو فی الجملہ ان کی حقارت کا خیال پیدا ہوا خصوصاً اسوجہ سے کہ مدرسۃ العلوم کے پر تکلف اور آراستہ کمرے میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ فائدے سے خالی نہیں۔ اگرچہ اس میں شبہہ نہیں کہ اس کمی کی اصلی وجہ کثرت آبادی اور کافی زمین کا نہ میسر آنا ہے۔ لیکن اُن فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقے کے حاصل نہیں ہو سکتے اگر یہہ دعویٰ کیا جائے کہ قصداً ایسا کیا گیا ہے اور ایسا ہی مناسب تھا تو کچھہ بیجا نہو گا۔

ایک ایک کمرہ میں بہت سے طالب علموں کا رہنا

اس طریقے سے جو نہایت مفید کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام بورڈروں کی روزانہ زندگی یکساں اصول پر قائم کی گئی ہے۔ مثلاً صبح ہوئی اور چوکیداروں نے (جو تمام رات سونے کے کمرے میں ٹہلا کرتے ہیں) تمام بورڈروں کو جگا دیا۔ دیوار میں لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں لگی ہیں اور اُن کے نیچے پکی نالی بنی ہے تمام لڑکے وہاں جا کر ایک ساتھہ بیٹھہ گئے۔ لڑکوں کے ایک ساتھہ آجانے کا اسقدر التزام ہے کہ بعض بعض کالجوں میں ایک کل ہے جس کے پھرانے سے تمام ٹونٹیوں کا مونہہ ایک ساتھہ کھلجاتا ہے۔ جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکر اس کل کو پھراتا ہے اور وقت مقررہ کے گذرنے پر بند کر دیتا ہے اگر کوئی لڑکا دیر کر کے آئے تو اُسکو واپس جانا ہو گا۔ کیونکہ صرف ایک شخص کے لئے بہت سا پانی رایگاں نہیں کیا جا سکتا۔ ہاتھہ مونہہ دہو کر

تمام بورڈروں کی یکساں معاشرت

تمام لڑکے ریڈنگ روم میں (جو کتب بینی کے لیے مخصوص ہے اور جہاں ایک نگران معلم موجود رہتا ہے) جاکر بنچوں پر بیٹھ گئے اور سبق کے یاد کرنے۔ یا مطالعہ کے دیکھنے میں مصروف ہوئے تمام طالب العلم ایک ساتھ اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی ہوئی اور سب کالج کے کمروں میں جا بیٹھے۔ رات کو بھی تمام طالب علم ایک ہی کمرے (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سب ساتھ اُٹھکر سونے کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ غرض سوکر اُٹھنا۔ ہاتھ مونہ دھونا۔ سبق مطالعہ کرنا۔ کھانا کھانا۔ کھیلنا۔ نماز پڑھنا۔ اور رات کے دس بجے اپنے اپنے پلنگ پر جاکر پڑ رہنا یہ سارے کام تمام طالب العلموں کو ایک ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ اس طریقے سے حفظ اوقات کی عادت ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ اس طریقے کے لئے ضرور ہے کہ ایک ایک کمرہ میں پچاس پچاس ساتھ ساتھ طالب علم کے رہنے کا انتظام کیا جائے ورنہ الگ الگ کمروں میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانے کا کسیطرح انتظام نہیں ہو سکتا۔ ہمارے کالج میں ظہور حسین وارڈ جو ابھی قائم ہوا ہے اسی اصول پر قائم ہوا ہے۔

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ کچھ اہتمام ہے تاہم چونکہ نئے طریقۂ تعلیم نے حال میں رواج پایا ہے اس لیئے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہے جس کی نسبت امید ہے کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائیگی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی ڈبیٹنگ کلب اور علمی انجمن نہیں ہے۔ اس لیئے طالب علموں کو تقریر کا ملکہ بہم پہنچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہے کہ ان کالجوں کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپیچ نہیں دیسکتے

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہی جسپر ترکون کو فخر ہے اور در حقیقت وہ اِس فخر کا مستحق ہے۔ اگرچہ حربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کسیقدر الگ ہے اور اس لحاظ سے ترقی تعلیم کے ذیل مین مکتب حربیہ کا ذکر کرنا بظاہر موزون نہ تہا۔ لیکن اس کالج مین حربی علوم کے علاوہ طبیعات۔ کیمیا۔ ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخون کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہے کہ ہم اسکو اصطلاحی تعلیم کے دایرہ سے باہر نہین کہ سکتے۔ یہ کالج سنہ ۱۲۵۰ھ مین سلطان محمود نے قایم کیا تہا۔ اِس زمانہ کی بہ نسبت عمارت مین بہت کچھ ترقی ہوئی ہے اور نصاب تعلیم تو اسقدر وسیع اور اعلی ہو گیا ہے کہ گویا وہ کالج ہی نہین رہا۔

اِس کالج کے ماتحت جسقدر حربی مدارس ہین انکی تعداد (۴۷) ہے جنمین (۲۰) اعدادیہ ہین اور (۲۷) رشدیہ جنمین کل ۹۲۲۴ طالب علم تعلیم پاتے ہین۔ تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

قسم مدرسہ	مدارس پایہ تخت		مدارس اضلاع	
	بورڈر	غیر بورڈ	بورڈر	غیر بورڈر
اعدادی	۱۰۹۶	۰	۷۴۵	۰
رشدیہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۲۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتب حربیہ) بڑی عظمت و شان کا کالج ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ مین عام دستور ہے کہ سکرٹری مدرسہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ مین داخل نہین ہو سکتا۔ لیکن اس کالج مین اور بہی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہے۔ مینے جب اسکی سیر کا قصد کیا تو لوگون نے کہا

اسی کا یہ بھی اثر ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی، آزاد خیالی۔ حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ نہیں پیدا ہوئی ہے جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے۔

ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود دارالخلافہ کی شہر پناہ تک محدود ہے بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہو گئے ہیں لیکن وہ عموماً ابتدائیہ اور رشدیہ یعنی اوسط درجے کے مدارس ہیں۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔ بیروت۔ دمشق۔ حلب۔ بیت المقدس۔ میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں جس پر کالج کا لفظ صادق آسکے۔

اس سے بڑھ کر یہ افسوس ہے کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دارالعلوم جنکا میں نے ذکر کیا، حکومت کی طرف سے ہیں۔ قوم نے ابھی تک اسطرف کچھ توجہ نہیں کی ہے۔ یعنی اتنی بڑی دارالسلطنت میں ایک بھی قومی کالج نہیں۔ کوئی گورنمنٹ گو کتنی ہی مقتدر اور دولتمند ہو لیکن تمام ملک کی علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو بھی تو چنداں مفید نہیں جس قوم کی تمام ضرورتیں گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے۔ اس کی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہو جاتی ہیں یورپ میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر قوم کا حصہ ہے انگلستان کی مشہور یونیورسٹیاں کیمبرج اور اکسفورڈ۔ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں اور اسوقت تک انہوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے۔

اس اجمالی رپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا تفصیلی حال لکھتے ہیں۔

مکتب حربیہ

اور چاستے کیا ہیں ؟ شیخ علی ظبیان ٹوٹی پہوٹی ترکی بول لیتے تہے۔ میرے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ پاشاے موصوف نہایت شرمندہ ہوئے۔ معذرت کے ساتہہ کہا کہ آپ بالاخانے پر چلیئے مین تہوڑی دیر میں آتا ہون۔ بالاخانے پر چند معزز عہدہ دار جمع تہے۔ اُنہوں نے نہایت احترام کے ساتہہ ہمارا استقبال کیا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا۔ ایک ایک سے مزاج پرسی ہوئی اُن لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور تحقیقات علمی کی غرض سے یہاں آیا ہون۔ تو اسقدر گرویدہ ہوئے کہ ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا اظہار ہوتا تہا۔ نہایت افسوس تہا کہ میں نہ ترکی سمجہتا تہا نہ فرنچ۔ اور وہ ان زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں گفتگو نہ کرسکتے تہے۔ اُٹہہ اُٹہہ کر میرے پاس آبیٹہتے تہے اور اظہار محبت کے ساتہہ افسوس ظاہر کرتے تہے کہ ہم آپ کی زبان نہیں سمجہتے۔ تہوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے معذرت کے ساتہہ کہلا بہیجا کہ مجکو ضروری کام درپیش ہے اسلیے مین خود نہیں آسکتا۔ لیکن میں نے ایک افسر کو حکم دیدیا ہے وہ آپ کو اچہی طرح کالج کی سیر کرادے گا۔ ان صاحب کا نام رضا بک تہا اور میر الائی کا رتبہ رکہتے تہے۔ پاشاے موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ پر محمول نہیں ہوسکتی تہی۔ واقعی انکو بہت سے محکمہ سپرد ہیں اور تمام تمام دن انکو دورہ میں گزر جاتا ہے لیکن اسمیں شبہہ نہیں کہ انکو اپنی حرکت پر سخت ندامت ہوئی تہی اور یہ بہی اُنکے نہ آنیکا ایک سبب تہا۔

مجکو اس بات کے معلوم ہونیسے کہ یہاں علما و متصوفین جب کسی امیر یا عہدہ دار سے ملتے ہین تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ ابیض نورانی ہاتہہ آئے ذکی پاشا کی بدگمانی کا رنج تو جاتا رہا لیکن اس فرقہ کے حال پر بہت افسوس ہوا۔ نذر و نیاز کے طریقہ گو ہندوستان

کہا کہ اس کے لیے ارادہ سنہ یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے اگرچہ ممکن تہا کہ عثمان پاشا جنسے اس زمانہ میں مجکو شرف ملازمت حاصل ہوچکا تہا مجکو بآسانی اجازت دلاتے لیکن میں سنے اسس کام کے لیے اُنکو تکلیف دینا مناسب نہ سمجہا حسین حبیب آفندی پولس کمشنر سے بے تکلفانہ ملاقات تہی ان سے تذکرہ کیا بولے کہ "درحربیہ ماذون نیستم" مجبوراً مجکو ذاتی کوشش پر بہروسہ کرنا پڑا۔ اتنا معلوم ہوچکا تہا کہ مکتب حربیہ کے سکرٹری ذکی پاشا ہیں جو نہایت لائق اور اعلی درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ میں سنے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطے کے خود اُنسے ملنا چاہیئے۔ شیخ علی ظبیان نے بہی یہی رائے دی۔ چنانچہ ہم دونوں پاشائے موصوف کے مکان پر گئے۔ اتفاق سے وہ باہر جا چکے تہے۔ آدمی نے کہا ذرا ٹہر جائیے شاید جلد آجائیں۔ اسی اثناء میں وہ آپہنچے۔ گاڑی سے اُترنے کے ساتہہ اُنہوں نے ہماری طرف رُخ کیا۔ شیخ علی ظبیان اور میں دونوں عربی لباس میں تہے۔ اگرچہ میرے سر پر ریشمی عمامہ اور کمر میں سنہری پیٹی تہی لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی صورت سے عرب معلوم ہوتا تہا۔ پاشائے موصوف کو اسوقت نہایت جلدی تہی۔ سلام علیک کے ساتہہ ہی جیب مین ہاتہہ ڈالا اور کچہہ مجیدیاں (ٹرکی سکہ) نکالیں۔ پہلے تو مجکو سخت تعجب ہوا پہر یہ خیال آیا کہ نعوذ باللہ انہوں نے ہمکو عام عربوں کی طرح گداگر سمجہا۔ اس خیال کے ساتہہ مجکو نہایت رنج اور رنج کے ساتہہ غصہ آیا۔ میں نے چلاکر کہا شوھذا۔ ماجیناالھذا۔ لسنا من الفقراء۔ یعنی یہ کیا ہے؟ ہم اسلیے نہیں آئے ہم محتاج نہیں ہیں۔ پاشائے موصوف اگرچہ عربی نہیں سمجہتے تہے لیکن چہرہ کی ہئیت اور لہجہ کلام سے سمجہے کہ یہ امر اسکو ناگوار گزرا۔ شیخ علی ظبیان کی طرف متوجہ ہوئے کہ یہ غیظ میں کیوں ہیں؟

مکتب حربیہ کی سیر کیلیے ذکی پاشا کی ملاقات

کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا لیکن افسوس یہان بھی اس سے نجات نہین پائی۔
قصۂ مختصر۔ رضا بک کے ساتھ۔ ہم مکتب حربیہ کو گئے۔ دروازہ پر پہرہ تھا۔ سپاہیون نے فوجی قاعدہ سے سلام کیا۔ اندر داخل ہوئے تو کالج کیا ایک مستقل آبادی تھی۔ رضا بک پہلے اپنے خاص کمرہ مین لے گئے۔ وہان کالج کے اور چند عہدہ دار موجود تھے اُنسے تعارف ہوا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کھانے کی گھنٹی ہو چکی ہے۔ آئیے۔ سب سے پہلے آپکو کھانیکے کمرہ کی سیر کرائین چونکہ اسوقت ڈائننگ روم (کھانیکا کمرہ) اور اوسکے متعلق جو عمارتین ہین ڈھاکر نئے سرے سے تعمیر ہو رہی تہین۔ اسلیئے کالج کے سلسلہ عمارت سے کسیقدر فاصلہ پر ایک مکان عارضی طور پر بنایا گیا تھا اور کالج سے اِس عمارت تک صاف اور ہموار سڑک طیار کی گئی تھی لڑکے اپنے اپنے کمرونسے نکلکر ڈائننگ ہال چلے تو عجیب دلفریب سمان نظر آیا۔ پانچ پانچ چھ چھ لڑکون کی تیس چالیس صفین تہین اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تہین کہ گویا باقاعدہ فوج مارچ کر رہی ہے۔ وضع اور لباس بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرب تھے رنگ و روپ مین بھی چندان فرق نہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ اس گروہ کے ساتھ نہ کوئی افسر تھا نہ اُنکو ہمارا آنا معلوم تھا تاہم اُنکی کوئی حرکت ترتیب و انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور و غل کا مطلق نام نہ تھا جب ہم کمرے کے اندر داخل ہوے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھ چکے تھے ہال نہایت وسیع اور خوبصورت اور چھت پر طلائی کام تھا۔ دو تین قسم کے کھانے تھے اور ترکی طریقہ کے موافق چار چار لڑکون کے بیچ مین ایک ایک قاب تھی۔ چھری کانٹے نہ تھے۔ صرف چمچے تھے۔ لیکن لڑکے کھاتے اس خوش سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھ بھرتا تھا نہ میز کی چادر پر کہین دھبہ پڑ سکتا تھا۔

لڑکون کا کھانیکے کمرے کو جانا۔

کھانیمین لڑکونکی صفائی اور خوش سلیقگی۔

غالباً لڑکون پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے چار پانسو لڑکے جو ہال مین موجود تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کپڑے بدلکر آئے ہین - ہم جدہر گزرتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہوجاتے اور کہتے تفضّل یا مولانا انکے اصرار سے ہمنے دو ایک لقمہ کھایا - کھانا برا نہ تھا - لیکن ہم ہندوستانی قورمہ ڈھونڈھتے تھے وہ یہان کہان تھا کھانیکے کمرہ سے نکلکر تھوڑی دیر تک ہم ادہر اُدہر پھرتے رہے یہان تک کہ کالج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچر روم کو چلے -

لکچر روم لکچر روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستان کی قطع کے نہین ہین - دور تک سیدہی قطار مین بہت سے کمرے ہین جنکی قطع عام مکانات کی سی ہے - پروفیسر ایک بلند چبوترہ پر بیٹھتا ہے - بعض بعض چبوترونکے گرد لکڑی کا کٹہرا بھی تھا رضا بک اور اُنکے ساتھ ہم جس کمرہ مین جاتے ایک لڑکا اُٹھکر "بق" کا لفظ بلند آواز سے کہتا - اِس آواز کے ساتھ تمام لڑکے کھڑے ہوجاتے اور ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرتے - معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے تو لڑکے اسیطرح اسکی تعظیم بجالاتے ہین - رضا بک ہمکو تمام پروفیسرون سے انٹروڈوس کراتے تھے - لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان نہین سمجھ سکتے تھے -

حمام - چھاپہ خانہ - نقاش خانہ - اور اس قسم کی بہت سی عمارتین جو کالج کے احاطہ مین ہین ہم نے سب کی سیر کی - یہ عمارتین اس کثرت سے ہین کہ قریباً دو گھنٹہ تک ہم برابر پھرے تب جاکر کہین ختم ہوئین - تشریح کی تعلیم کا کمرہ نہایت وسیع ہے اور اعمال تشریحی کے سامان کثرت سے جمع ہین - نقشہ کشی اور مصوری کے جو نمونے مین نے یہان دیکھے کبھی نہین دیکھے تھے - چھاپہ خانہ مین ایک ایجاد یہ دیکھی

میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ جغرافیہ کا نقشہ بجاے کاغذ کے پتھر پر بنا کر چھاپا جاتا تھا جو نقشہ اُسوقت طیار ہو رہا تھا نہایت گنجان اور باریک تھا اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا۔

طالب علموں کی تفریح کے لیے ایک خوبصورت حوض بنا ہے جسمیں مختلف رنگ کی مچھلیاں پڑی ہیں اور جابجا بنچین اور کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں اور ٹیچروں کے لیئے ذرا فاصلہ پر الگ حوض ہے۔ چونکہ چلتے چلتے تھک گئے تھے ہم نے وہاں دم لیا اور دیر تک صحبت رہی۔ رجب آفندی جو ترکی زبان کی انشا سکھانے پر مامور ہیں اور فارسی زبان جانتے ہیں آخری دورہ میں ہمارے ساتھ ہو لیے تھے۔ ان کے ذریعہ سے کالج کے معزز افسروں سے بے تکلف بات چیت ہوسکتی تھی۔ پروفیسروں اور طالب علموں نے مجھ سے جس خوش اخلاقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اُسکی کیفیت بیان نہیں کرسکتا اسبات کا نہایت افسوس رہا کہ جسدن ہم نے کالج کو دیکھا وہ عملی تعلیم کا دن نہ تھا اس وجہ سے فوجی شغلیں یعنی قواعد۔ نشانہ بازی۔ شہسواری۔ مورچہ بنانا۔ دمدمے طیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے۔ ممکن تھا کہ اور کسی دن جاکر دیکھتے لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج اسقدر دُور تھا کہ پھر ہمت نہوئی۔

پروفیسرونکا اخلاق

اس کالج میں تعلیم کی متعدد شاخیں ہیں

ارکان حرب

(۱) ارکان حربیہ یہ سب سے اعلی درجہ ہے اور اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اسکی دو شاخیں ہیں فنی و عسکری۔ فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ تقسیم اراضی۔ ہیئت۔ نظریات جرثقیل۔ معماری۔ زبانہاے فرنچ و جرمن و روس۔ قلعوں کا محاصرہ اور اسکے

تعلیم کی متعدد شاخیں

اُصول جنگ - فوجی ٹیلگراف - وظائف ارکان حرب - فوجی ایجادیں - عملیات - اشکال معماری سفرمینا - ممالک عثمانیہ کی سڑکیں اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائنیں - فن اسلحہ ثقیلہ - علم طبقات الارض - یورپ کی فوجوں کی ترتیب اور اصول - دنیا کی مشہور لڑائیاں اور فوجی اصول کے لحاظ سے ان کی کیفیت و تورخ اور فتح و شکست کے اسباب کی تحقیق - اقلیدس - جبر مقابلہ - پلوغرافیا - فن اسلحہ خفیفہ - کتابت - تاریخ فن حرب - تصویر کشی - عسکری میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں اسکے ساتھ بعض جدید مضامین بھی ہیں جو مضامین ان دونوں درجوں میں پڑہاتے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم رشدیہ و اعدادیہ میں ہوچکتی ہے - ان درجوں میں صرف اُنکی تکمیل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اسقدر مختلف مضامین کی تحصیل ہوسکتی ہے - رشدیہ سے اس درجہ تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہے -

سواری

(۲) سواری کی تعلیم - اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اور علاوہ عملی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے - ہندسہ رسمیہ - پلوغرافیا نظری و عملی - زبانہائے فرنچ و جرمن و روس کیمیا - فن اسلحہ - فوجی ایجادات - جغرافیائے عسکری -

(۳) پیادہ - مدت تعلیم تین برس - اس میں علاوہ عملی مشقون کے جغرافیہ فوجی - فن اسلحہ - جرمن و فرنچ و روسی زبانیں - فوجی ایجادات - استحکامات خفیفہ - حفظ الصحۃ کی تعلیم ہوتی ہے -

بیطاری یعنی جانوروں کا علاج

(۴) بیطری یعنی طب حیوانات - مدت تعلیم چار برس - مضامین درسیہ یہ ہیں - عام امراض

فن ولادت - فن فروسیت - امراض داخلیہ - امراض متولیہ - فن جراحی - امراض خارجیہ - فرنچ زبان - کتابت - کیمیاے عضوی - مفردات طب - تشریح - منافع الاعضا - نباتات - علم الحیوانات - کیمیاے غیر عضوی - علم الارض والمعادن - ان چارون صیغون مین قریبًا چھ سو لڑکے زیر تعلیم ہین اور انکو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب - افسری کے عہدے ملتے ہین - اسکے نیچے اعدادیہ اور رشدیہ کی کلاسین ہین جنکی مدت تعلیم سات برس ہے اور تاریخ جغرافیہ - حساب - اقلیدس - طبعیات - کلون کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے - کل طالب علم جو اس کالج کی مختلف شاخون مین تعلیم پاتے ہین تعداد مین پندرہ سو ہین جنمین سے ایکہزار بورڈر ہین - پرفیسر و اسسٹنٹ پروفیسر و ٹیچر ۷۸ ہین جنمین سے اکثر کالج ہی کے احاطہ مین سکونت رکھتے ہین - اکثر پروفیسر اعلٰے درجہ کی تعلیم یافتہ اور معزز عہدہ دار ہین ان مین سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہین جنکے نام یہ ہین - ثروت پاشا سکرٹری - فایق پاشا پروفیسر کیمیاے عضوی - نہر پاشا پروفیسر تعلیم سواری - تفوق پاشا پروفیسر طبقات الارض - شاکر پاشا پروفیسر ارکان حرب - عثمان پاشا پروفیسر زبان جرمن - نو پروفیسرون کو میر آلای کا رتبہ حاصل ہے -

پروفیسرون اور ٹیچرون کی تعداد

مکتب سلطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے اور مکتب حربیہ کے تمام کالجون سے ممتاز ہے - یہ غلطہ سراے مین واقع ہے جہان زیادہ تر یورپین تاجر آباد ہین اور اسوجہ سے تمام اور کالجون کی نسبت عیسائی لڑکے اسمین زیادہ ہین -

مجکو افسوس ہے کہ جسوقت میں نے اس کالج کو دیکھا تعطیل کا زمانہ تھا اور بجز دو تین عہدہ داروں یعنی سکرٹری اور نائب سکرٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے۔ بورڈنگ اور لیکچر روم سب اوپر کے درجے میں ہیں۔ علم الحیوانات کی تعلیم کے لئے نہایت وسیع کمرہ ہے جسمیں کثرت سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے جانوروں کے ڈہانچے ہیں۔ وہیل مچھلی کا ڈہانچا میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کیمیا اور الکٹرسٹی کے تجربوں کے لئے کثرت سے بیش قیمت آلات مہیا کئے گئے ہیں۔

یہ بات مجکو بہت پسند آئی کہ بیمار بورڈروں کے لئے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہے جس میں کثرت سے پلنگ وغیرہ موجود ہیں اور متعدد خدمتگار ہر وقت حاضر رہتے ہیں اس طریقے سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے علاج اور تیمار داری میں آسانی ہوتی ہے وہ ایک ہی وقت میں تمام بیماروں کو دیکھ سکتا ہے ورنہ الگ الگ کمرے ہوں تو ایک ایک بیمار کے پاس پہنچنا اور کافی طور سے انکی پرداخت اور خبر گیری کرنی سخت مشکل ہو۔

اس کالج کا صرف ۱۸ ہزار پونڈ یعنے دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے لیکن اسمیں غریب طالب علموں کی اسکالرشپ کی رقم بھی شامل ہے۔ طالب علموں کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہے جنمیں زیادہ تر بورڈر ہیں۔ بورڈروں کی خوابگاہ کا کمرہ نہایت وسیع۔ شاندار اور خوش فضا ہے۔ بورڈنگ کا جو دستور العمل ہے اس کے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) تمام بورڈروں کی خوراک۔ کپڑے۔ بچھونے۔ کتاب۔ کاغذ قلم وغیرہ کالج کی طرف سے مہیا کیا جائیگا۔

(۲) بورڈر سے ۴۰ پونڈ سالانہ (چھ سو روپیہ) فیس لیجائیگی۔

(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو دو ثلث یا ایک ثلث فیس ادا کر سکتے ہیں یا بالکل نہیں ادا کر سکتے۔ لیکن ان کی تعداد معین ہوگی جو ہر سال کے شروع میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے محکمہ سے استفسار کر کے قرار دیجائیگی۔ (یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے طلبار کی بقیہ فیس سلطان اور امراے شہر ادا کرتے ہیں اور اسوجہ سے خوراک۔ لباس۔ فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے انہیں اور ذی مقدور طالب علموں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہو سکتا۔)

(۴) داخلہ کے وقت ہر طالب علم سے کپڑوں کی بابت ۱۵ پونڈ یعنی دو سو پچیس روپے لئے جائینگے۔

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے انکی فیس ۲۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ گھٹ نہیں سکتی۔

(۶) غیر بورڈروں کی فیس ۱۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہو سکتی۔

(۷) بورڈروں کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اپنے گھر جانے کی اجازت ملیگی۔ جانے اور آنے کے وقت ایک معتبر ملازم کا انکے ساتھہ ہونا ضرور ہے۔

(۸) کوئی بورڈر ایک ہفتہ میں دس قرش (سوا روپیہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھہ سکتا۔

تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ تمام علوم و فنون فرنچ زبان میں پڑہائے جاتے ہیں۔ اور اسوجہ سے اکثر پروفیسر فرنچ یا جرمن ہیں۔ اس کے ساتھہ

ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلی درجے کی ہوتی ہے۔عربی وفارسی کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ گو اعلی درجے کی نہیں۔باقی زبانیں۔یونانی۔ارمنی۔انگریزی۔جرمنی۔اٹالین۔لیٹن۔درس میں داخل ہیں اوربہت سے لڑکے پڑہتے بھی ہیں۔لیکن انکی تعلیم اختیاری ہے لازمی نہیں

ترکی وعربی وفارسی میں علاوہ علم ادب و قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہی وہ یہ ہیں۔عقاید۔فقہ۔اخلاق۔تاریخ۔دولت عثمانیہ۔قرات وتجوید۔حدیث وتفسیر۔لیکن قرات وحدیث وتفسیر کی تعلیم چوتھے برس سے شروع ہوتی ہے۔اور ہفتہ میں صرف ایکبار ہوتی ہے۔فرنچ زبان شروع ہی سے پڑہائی جاتی ہے اوراختتام تعلیم یعنی سات برس تک برابر جاری رہتی ہے۔نحو۔صرف۔ادب کے ساتھ۔اصول انشا نگاری وفن بلاغت اعلی درجے تک پڑہایا جاتاہے اورمضامین ذیل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعے سے ہوتی ہے۔حساب۔جبر مقابلہ۔جغرافیہ۔ہندسہ۔کیمسٹری۔علم الحیوانات۔طبعیات۔علم النبات۔الکرہسٹی۔علم الاصوات۔علم طبقات الارض۔رسم ہندسی۔رسم تقلیدی۔

پروفیسروں اور ٹیچروں کی مجموعی تعداد ۴۰ ہے جنمیں ۲۶ جرمنی اور فرنچ۔اورباقی ترک ہیں

حقیقت یہ ہی کہ وسعت عمارت۔فراہمی آلات علمی۔وسعت تعلیم۔اورخوبی انتظام کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ ترکوئی کالج نہیں ہے۔البتہ یہ افسوس ہے کہ اسکی اعلی کلاسوں میں تعلیم پانے والے زیادہ ترعیسائی ہیں۔مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہی

شیخ عبد الفتاح آفندی نے مجکو سال رواں کی رپورٹ نتیجۂ امتحان عنایت کی تہی اسمیں جسقدر اعلی درجے کے امتحانات پاس کرنے والے ہیں اکثر عیسائی ہیں۔مجکو خدانخواستہ

عیسائیوں کی ترقی پر حسد نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے تنزل کا رنج ضرور ہے۔

مکتب ملکیہ

مکتب ملکیہ

یہ کالج جو یہاں کا سول سروس کالج ہے خاص سلطان کا قائم کردہ ہے اور حضرت ممدوح کو اس کی طرف التفات خاص ہے چنانچہ دوبارہ بنفس نفیس اس کے ملاحظہ کو تشریف لا چکے ہیں۔

پہلے اسمیں پانچ درجے تھے تین ادنی اور دو اعلی اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس تھی لیکن تعلیم کے ہائی اسٹینڈرڈ کے قائم کرنے کے لیئے دو درجے اور بڑھا دیئے گئے ہیں اور کل مدت تعلیم سات برس قرار دی گئی ہے۔ اس کالج میں فرنچ کے ساتھ یونانی اور ارمنی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ عربی و فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے لیکن لازمی نہیں۔ مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے یہ ہیں۔ تاریخ جغرافیہ۔ الکٹرسٹی وغیرہ۔ طبعیات۔ پولٹیکل اکونمی۔ اصول قانون۔ یورپ کے قوانین۔ ان تمام مضامین کی تعلیم نہایت اعلی درجے پر ہوتی ہے۔ تاریخ کا کورس میں نے خود دیکھا چھ ضخیم جلدوں میں تھا۔ اس کالج کے تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلی عہدوں پر مقرر کیئے جاتے ہیں چنانچہ دو سو سے زیادہ اسوقت تک ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں جن میں سے بعض بعض نہایت بلند رتبے کے عہدہ دار ہیں۔ طلبا جو اسوقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں انکی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ ہے۔

طالب علموں کی تعداد۔

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کے مینجر جو ایک معزز ترک ہیں اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی۔ یہاں کے

کالجوں میں میں نے یہ بات عموماً دیکھی اور مجکو بہت پسند آئی کہ مینیجر معزز رتبہ کا آدمی ہوتا ہے۔ اور اس کی طرز معاشرت سے عزت وشان ظاہر ہوتی ہے۔ ان مینیجر صاحب کا کمرہ بھی حسب معمول مرتب اور آراستہ تھا۔ میں جسوقت کالج میں پہنچا چھٹی کا گھنٹہ تھا اور لڑکے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں آگئے تو مینیجر صاحب نے مجکو کالج کے تمام کمروں کی سیر کرائی۔ کھانے کا کمرہ نہایت خوش سلیقگی سے مرتب تھا میز پر نہایت صاف چادر بچھی تھی۔ اور کھانے کے پرتکلف برتن خوبصورتی کے ساتھ چنے تھے۔ صراحیاں جو طالب علموں کی تعداد کے موافق تھیں عموماً شیشے کی تھیں اور گویا میز کی آرایش کا کام دیتی تھیں۔ کیمسٹری وغیرہ کی تعلیم کے کمرہ میں اعلیٰ درجے کے آلات تھے اور کثرت سے تھے۔ اسی سلسلہ عمارت میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے اسکی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں۔ لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ درجہ کا ترکی قالین بچھا ہوا تھا۔ خوبصورت او مزین معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف دیوار پر خط نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزاں تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سلطان عبد العزیز خاں مرحوم کے ہاتھہ کا لکھا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ خط ہے۔

کھانے کے کمرے کی صفائی اور آرائش

نماز کی طیاری

اسی اثنا میں ظہر کا وقت آگیا مسلمان لڑکوں نے (عیسائی طالب علم بھی یہاں کچھہ کم نہیں ہیں) نماز کی طیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ اور اس لباس میں انکا ادب اور متانت کے ساتھہ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھہ قطار در قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجب اثر کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کریں تو ایسی ترقی سے تنزل ہزار درجے بہتر ہے۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا لیکن بہت کم لڑکے آئیں

شریک تھے۔

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیساکہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں ترکوں میں تعلیم کا آغاز سلطنت کے ساتھہ ساتھہ ہوا۔ یہ وہی تعلیم تھی جسکو ہم آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شبہہ وہ کسی زمانے میں اعلی درجہ پر تھی۔ چنانچہ افضل الدین خونجی۔ علامہ قوشجی۔ چلپی۔ خواجہ زادہ۔ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آج تک اسکی یادگار ہیں۔ لیکن موجودہ تعلیم پستی کی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے مقابلے میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم غنیمت ہے۔ اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام مسرتوں اور خوشیوں کو برباد کردیتا تھا وہ اسی قدیم تعلیم کی ابتری تھی۔ یہ مسئلہ آج کل ہندوستان میں بھی چھڑا ہوا ہے اور تعلیم قدیم کی ابتری پر عموماً رنج اور افسوس کیا جاتا ہے لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا۔ ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ۔ پُرانی تعلیم پر جو رنج اور افسوس ظاہر کرتے ہیں وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شماتت ہے۔ میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں تاہم پُرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لئے پرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے۔ اس کے ساتھہ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریقہ سے جاری ہے وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہے تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تو اس خیال سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں نہو اُسکی بے سروسامانی قدرتی بات ہے۔ لیکن قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر میں یہ حالت دیکھکر سخت رنج ہوتا تھا۔

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا یہاں کثرت سے رواج ہے اور چونکہ اس قسم کے طالب علم اپنی وضع ولباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں اس لئے مسجدوں اور عام گزرگاہوں میں آسانی

طالب علموں کی تعداد

سے انکی کثرت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں ان کی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔ انکی بسر اوقات کا جو طریقہ ہے وہ نہ صرف افسوسناک

طالب علموں کی بسر اوقات کا طریقہ۔

بلکہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں کے تمام مدارس (قدیمہ) میں تین مہینے کی متصل تعطیل ہوتی ہے جسکا آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں تمام طلبا قسطنطنیہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور دیہات اور قصبات میں پھر کر زکوٰۃ تحصیل کرتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ ان کی سال بھر کی معاش ہے۔ بعض بعض مدرسوں میں اور وہ خال خال ہیں کچھ روٹیاں بھی مقرر ہیں لیکن

بورڈنگ

کپڑے وغیرہ کا مطلقاً کوئی بندوبست نہیں۔ رہنے کے لئے مدرسوں کے حجرے ہیں جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں۔

مدرسوں کی قطع یہ ہے کہ چھوٹا سا صحن اور اُسکے تین طرف چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے ہیں اور صحن میں سقاوہ ہوتا ہے جہاں بیٹھکر وضو کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مدرسے جو سلاطین (محمد فاتح و سلیمان وغیرہ) نے بنوائے تھے اور آج تک قائم ہیں اُن کے حجرے وسیع اور ہوادار ہیں۔ لیکن اور تمام مدرسوں کے حجرے ایسے مختصر اور بند بند ہیں کہ اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے باوجود ان تمام باتوں کے مجکو ترکوں کی علمی فیاضی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہرچند کم حیثیت سہی تاہم آج سیکڑوں علمی یادگاروں کا وجود تو ہے اور انصاف یہ ہے کہ یہ مدرسے جس زمانے کے یادگار ہیں اُسوقت کی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ناموزوں بھی نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک اقلیم ہے حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک علمی یادگار بہی موجود نہیں۔

تعلیم قدیم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ تعلیم کا اسٹینڈرڈ نہایت چھوٹا رکھا گیا ہے۔ علم ادب کا پتہ نہیں منطق و فلسفہ میں ایسا غوجی اور تمسیہ انتہائی کتابیں ہیں یا صحاح ستہ شاید ہی کسی مدرسے میں پڑہائی جاتی ہو۔ معانی و بلاغت و اصول فقہ کا بہی یہی حال ہے فقہ پر البستہ بہت کچہہ توجہ ہے لیکن اسکی تعلیم بہی مجتہدانہ نہیں بلکہ نہایت عامیانہ اور مقلدانہ ہے۔ بعض بعض مولویوں سے میری ملاقات تہی وہ ایسے جزئی اور عام مسائل پر گفتگو کیا کرتے تہے کہ مجکو تعجب اور افسوس دونوں ہوتا تہا۔

مذاہب تعلیم

ترکوں کی علمی حالت

ترکوں کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصّوں پر حکومت کی وہاں کی ملکی زبان اگر بالکل مٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اُس سے چہن کر عربی زبان کو ملگیا۔ ہندوستان فارس اسپین۔ افغانستان۔ کی ملکی زبانیں اگرچہ بالکل مختلف تہیں لیکن علمی زبان ہر جگہہ عربی ہی رہی اور اب بہی ہے۔ ترک بہی اس عام اثر سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن اس خصوصیت میں انکو تمام اسلامی قوموں میں امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے عربی زبان کی اطاعت کے ساتہہ اپنی زبان کو بہی علمی خزانوں سے محروم نہیں ہونے دیا جس زمانے میں علوم قدیمہ کی حکومت تہی اُس زمانے میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تہا اور اب بہی ہے۔

ترکی زبان میں کتابوں کا ترجمہ

میں نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تاریخ ابن خلدون۔ طبری۔ ابن خلکان۔ مقریزی۔ وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابیں ہیں اور جن میں سے بعض سات سات جلدوں میں ہیں ترکی میں سب کا ترجمہ موجود ہے۔ بخلاف اسکے فارس و افغانستان میں اسکی ایک نظیر بھی نہیں ملسکتی۔ ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی فہرست طیار کرنی ہوگی

میرے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں مجھسے بیان واقعہ کے طور پر (نہ فخریہ) بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخیں۔ ڈرامے۔ ناول۔ سفرنامے۔ کتب انشاو بلاغت اس کثرت سے ترکی میں ترجمہ ہوگئی ہیں کہ یہ کہنا کچھہ مبالغہ نہیں ہے کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم و فنون جدیدہ کی بھی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہوچکی ہیں اور اسی کا اثر ہے کہ ٹرکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے ان علوم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے اور اعلی درجہ پر ہوتی ہے۔

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھہ کم نہیں۔ علوم و فنون جدید کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اور کالجوں اور اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے۔ مجکو اسقدر فرصت اور موقع توکہاں ملسکتا تہا کہ تمام جدید تصنیفات سے واقفیت حاصل کرتا۔ البتہ اپنے مذاق کے موافق تاریخ و رجال کی کتابیں دیکھیں جسکی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ عربی کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں اسقدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے انکو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جسقدر تاریخیں ہیں سادہ واقعات کا

ترکی میں تاریخی تصنیفات

مجموعہ ہیں اور جسقدر کوشش اور اہتمام ہے صرف اصول روایت کے متعلق ہے۔ بخلاف اس کے ترکی تاریخیں اُن اُصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفہ تاریخی کے اُصول ہیں اور جنکی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے۔ مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہے میں نے اُسکو اجمالی طور پر دیکھا۔ تمام واقعات میں علت و اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہے اور جا بجا محاکمہ اور تحقیق و تنقید کی ہے اس کے ساتھ ہر عہدِ حکومت کے خاتمہ پر اُس عہد کی تمدنی۔ اخلاقی۔ علمی حالت تفصیل کے ساتھ دکھائی ہے۔

بیوگرفی یعنی رجال و تراجم

بیوگرفی کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے جسکا نام مشاہیر رجال ہے۔ مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام چھوڑ دیا گیا ورنہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا۔ ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا آج کل زیر تصنیف ہے جسکا نام قاموس الاعلام ہے۔ اسمیں رجال کے علاوہ مشہور شہروں و عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے اُن کی فہرست اس کے ساتھ شامل ہے۔ میں نے عربی کتابوں کے نام پڑھے نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتیں کتاب یہ حروف تہجی کی ترتیب پر ہے اور اسوقت تک **ژ** تک پہنچی ہے۔

قاموس الاعلام

جغرافیہ کی ترقی

تاریخ کے ساتھ **جغرافیہ** کو بھی نہایت ترقی ہے۔ کثرت سے مفید کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مجموعی دنیا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے طیار کئے گئے ہیں کہ یورپ کے بعد شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوں۔ یہ نقشے نہایت با قاعدہ خوبصورت اور

موزوں ہیں اور یورپ کے طیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں۔ ترکوں کو اس فن سے خاص دلچسپی ہے۔

ترکی تصنیفات کی کثرت

ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار میں نہیں بتا سکتا لیکن ایک دفعہ سررشتۂ تعلیم کے دفتر میں اجمالی طور پر اُن کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مہینے کے عرصے میں شائع ہوئیں۔ انکا شمار دو ہزار کے قریب تھا۔ اگرچہ اسمیں ارمنی۔ یونانی۔ فرنچ۔ اور اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تہیں۔ لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے کمبخت ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

ترکی لٹریچر

ٹرکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ بہت سی خصوصیتوں میں ہماری اُردو کے مشابہ ہے۔ ٹرکی کا قدیم لٹریچر قدیم اُردو کے انداز پر رنگین پرتکلف۔ استعارات سے مملو۔ اور قوافی کا پابند تھا۔ لیکن اَب نئی اُردو کی طرح۔ سادگی صفائی۔ برجستگی۔ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں۔ اس نئی طرز کے موجد یا اُستاد کمال بی۔ حامد بی۔ پروفیسر ناجی وغیرہ ہیں میں نے جب ترکی ڑہنی شروع کی تو قدیم تصنیفات کے پڑہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن میرے احباب نے جو میرے اُستاد بھی تے کہا کہ قدیم وجدید ترکی میں آسمان وزمین کا فرق ہے اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کیلئے کافی نہو گا۔ پروفیسر دمبری نے اپنے لکچر میں جو اُنہوں نے ترکوں کی موجودہ شایستگی پر دیا ہے قدیم وجدید ترکی کا موازنہ کرکے موجودہ زبان کی دلاویزی صفائی۔ سادگی کا تعجب کے ساتھ اعتراف کیا ہے

ترک مصنفین

ترک مصنفوں میں جو آج کل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں ان کے یہ نام ہیں۔ احمد مدحت۔ جودت پاشا۔ پروفیسر ناجی۔ ابوالضیا۔ سامی۔ علی نصرت۔ پروفیسر ناجی شاعر ہیں۔ اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں۔ ملک الشعرا کا یہاں کوئی عہدہ نہیں ہے ورنہ یہ لقب انہیں کو ملتا تاہم انکو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے۔ **احمد مدحت**۔ بہت بڑا مصنف ہے اس نے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے جو بارہ جلدوں میں ہے۔ اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ ترکی فارسی عربی کے علاوہ فرنچ زبان میں کمال رکھتا ہے۔ یورپ میں جو اورینٹل کانفرنس قائم ہے اس کے متعدد اجلاسوں میں ٹرکی کیطرف سے وہ وکیل مقرر ہو کر گیا اور اسٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈیپارٹمنٹ کی افسری اسی کو دی گئی۔

جودت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزرا کے ایک ممبر یعنی وزیر اوریا در ہیں ان کا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے اور چونکہ معمر ہونے کے ساتھ ضعیف الجثہ اور نخیف بھی ہیں جلسہ وزرا میں کم شریک ہوتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو و صرف میں ہے درس میں داخل ہے۔ میں ان سے ملا تھا۔ دیر تک صحبت رہی عربی و فارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ مجھ سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ بڑی تعریف یہ ہے کہ باوجود دولتمندی اور عہدہ وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں۔

اخبارات و رسالہ

ترکی لٹریچر کے ذکر میں اخبارات و ماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے کیونکہ آج کل

یہ چیزیں لٹریچر کا ایک بڑا جزو خیال کیجاتی ہیں۔ میں افسوس کے ساتھہ کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے ترکی لٹریچر پستی کی حالت میں ہے۔ ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تھوڑے نہیں ہیں بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں۔ عبارت بھی بہت سادہ اور شستہ ہوتی ہے۔ اخبار کا مذاق بھی تمام ملک میں پھیل گیا ہے۔ بہت سے قہوہ خانے اخباروں کے لیے مخصوص ہیں۔ جہاں ہمیشہ کثرت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اُن کو قہوہ خانے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھہ ہے لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اُسکا سرے سے وجود نہیں۔ تمام اخبارات میں بجز سرکاری احکامات اور معمولی خبروں کے اور کچھہ نہیں ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہے کہ ترکی زبان پولیٹکل طرز تحریر اور زور استدلال سے بالکل محروم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہو اُسمیں رفعت خیال۔ قوت بیان۔ زور کلام۔ جوش تاثیر کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہے۔ عربی کو دیکھو جب تک خلافت راشدہ کا زمانہ تھا اور طبیعتیں آزاد او خودسر تھیں عربی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز تھی جب زمانے سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی اور خاندان بنوامیہ نے بڑے زور اور قوت سے عرب کی آزادی کو پامال کر دیا زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہا۔ بے شبہہ زمانہ مابعد کا لٹریچر کثرت معلومات کی وجہ سے نہایت وسیع اور دولتمند ہے۔ لیکن اس زمانے کے تمام تصنیفات چھان مارو آزادانہ طرز تحریر اور پولیٹکل جوش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا۔

اخبارات کے نہ آزاد ہونے کا سبب

ان باتوں کے ساتھہ مجکو یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزاد نہونا ترکی کی پولیٹکل حالات کا

ضروری اقتضا ہے۔ رعایا کا اختلاف مذہب۔ سلطنتہائے غیر کی رقابت۔ مخالفین کی دراندازیاں۔ اخباروں کا بات کو تبنگڑ بنانا۔ یورپین حکومتوں کی ہمسائیگی۔ یہ ایسے حالات ہیں جنہیں آزاد سے آزاد گورنمنٹ بھی یہی کرتی جو ترکی نے کیا ہے۔ حال ہی میں فرانس کی جمہوری حکومت نے ٹونس میں اخبارات کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کیے اُن کو دیکھکر کون ناانصاف ہے جو تنہا ترکی کو موردالزام قرار دیسکتا ہے۔

کتابوں کے چھپنے میں روک ٹوک

البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو روک ٹوک ہے وہ کسیقدر اعتراض کے قابل ہے یہاں عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہے تو پہلے وہ کتاب **معارف** کے سررشتہ میں پیش کیجاتی ہے۔ وہاں معائنہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ صیغہ ہے۔ اس صیغہ کے عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور انکی رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھاپنا روک دیا جاتا ہے یا اُسمیں حک و اصلاح کی جاتی ہے۔ اس قاعدے کی ضرورت اسوجہ سے پیش آئی کہ بعض لوگ کتابوں کے چھاپنے میں نہایت بددیانتی کرتے تھے۔ مثلاً بیروت میں عیسائیوں نے الفاظ الکتابیہ جو چھاپی اُس میں جہاں جہاں قرآن پاک کی آیتیں تھیں اور اسلامی طریقے کے موافق عنوان کے طور پر قَالَ اللهُ یَا کَمَا فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْد تھا سب جگہہ بدلکر کما قیل یا کما قال القرآن بنا دیا۔ حالانکہ کسی مسلمان کے قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ اس سے زیادہ یہ کہ انہیں عیسائیوں نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے اور جہاں جہاں کسی آیت میں عیسائی رِوایتوں کے خلاف کسی واقعے کا ذکر ہے۔ توسین میں لکھدیا ہے کہ "یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے" بے شبہ ایک **اسلامی**

سلطنت اس قسم کے تصرفات کا تحمل نہیں کر سکتے اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے شائع ہونے کے وقت نہایت احتیاط او تفتیش سے کام لیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کل اسکا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ صیغہ تحریف و تبدل کے روک کی غرض سے قائم ہوا تھا مگر بعض اوقات اُس نے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد النسفی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کے تمام وہ عبارت قلمزد کر دی تھی جسمیں خلافت کی بحث ہے اور الائمة من قریش کی حدیث مذکور ہے۔ مطبع والے نے مجبوراً اُسی قلمزد نسخہ کو چھاپا۔ میں نے اصل نسخہ جسپر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجکو یاد ہے کہ اُسوقت میں رنج اور غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ تصرف بخیال خود سلطان کی ہوا خواہی کے جوش میں کیا ہوگا۔ لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اسکو پسند نکرتے۔

اخبارات تو جیسا میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنا نہیں لیکن میگزین اور ماہوار رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں نہایت قدر کے قابل ہیں۔ انمیں زیادہ مشہور او معروف معارف ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس رسالے میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھے جاتے ہیں او ترکوں میں آج کل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں زیادہ تر اسی رسالے کے ذریعے سے اظہار کمال کرتے ہیں۔ مضامین زیادہ تر نیچرل سائنس اور آلات جدیدہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا۔ تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں۔ میں نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا معلوم ہوا کہ پانچہزار پرچے نکلتے ہیں۔ معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت

قابلیت سے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں۔ مکمل غزنۃ۔ مصور جہاں۔ ثروت فنون۔ میری نگاہ سے گذرے ہیں۔ یہ تمام رسالے کاغذ۔ خط۔ صفائی۔ غرض ظاہری آب وتاب میں یورپ کے مشہور رسالوں کی ہمسری کرتے ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ ترکی میں علوم وفنون کو جو روزافزوں ترقی ہے اور جس کثرت سے ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں اس کے لحاظ سے تمام ایشیائی دنیا پر اسکو افضلیت کا رتبہ حاصل ہے۔

چھاپے خانے

مطابع

چھاپے خانے یہاں نہایت کثرت سے ہیں۔ اور خوش خطی۔ صفائی۔ موزونی میں انکا جواب نہیں۔ عربی خط کا جو ٹائپ ہے اور جو ایک ترکی عالم ابوالضیا کی ایجاد ہے تمام دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے۔ عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تسلیم کیجاتی ہیں۔ لیکن خود بیروت والوں نے مجھسے بیان کیا کہ اصل میں یہ ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے اور ہم اُن کے مقلد ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں اس لیئے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہوگئی ہے۔ مرفہ الحالی یا عام قدردانی کا اثر ہے کہ قسطنطنیہ میں جسقدر کتابیں چھپتی ہیں نہایت عمدہ اور قیمتی کاغذ پر چھپتی ہیں۔ بخلاف مصر وہندوستان کے جہاں جوتے صاف کرنے کا کاغذ کتابوں کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان ملکو نمیں لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر وقیمت نہیں سمجھی۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع اتنا وسیع اور اسقدر دولتمند نہیں جیسا کہ ہندوستان میں نولکشوری مطبع ہے۔ اس کے ساتھ یہ اور افسوس ہے کہ اکثر مطابع غیر قوموں کے ہیں۔ معارف جسکا میں نے ابھی ذکر کیا اسکا مالک بھی ایک عیسائی ہے۔ مسلمانوں کے جو مطابع ہیں انمیں ترجمان حقیقت مطبع عثمانیہ۔ شرکت صحافیہ۔ زیادہ ممتاز ہیں میں نے ان سب کی سیر کی۔ شرکت صحافیہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم ہے اور اس کے تمام حصہ دار مسلمان ہیں۔ کل سرمایہ ۱۵ ہزار پونڈ یعنے قریباً دو لاکھ روپیہ ہے۔ تمام کام انجن کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلوں کو چلاتا ہے۔ میں جس وقت پہنچا عینی شرح بخاری چھپ رہی تھی۔ دو ضخیم جلدیں اسوقت تک طیار ہو چکی تھیں۔ مطبع والے کہتے تھے کہ ایسی ہی آٹھ اور ہیں۔ تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا یہی مشترک کارخانہ ہے ورنہ مسلمان۔ اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگانے لگے اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کام کو کرتے بھی تو دو چار شخص ملکر کیوں کرتے۔ اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق عادت میں داخل ہے۔

کتب خانے

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہنچا ورنہ ذاتی شوق اور غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جسکو میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھتا حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے وہ یہی کتب خانے ہیں۔ اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلیم و تعلم کا چرچا ہے وہ ہندوستان

عرب۔ مصر۔ شام۔ بلاد مغرب۔ فارس و ایران ہیں۔ انہیں سے اکثر مقامات کا علمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے۔ اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں **قسطنطنیہ**۔ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

کتب خانوں اور کتابوں کی تعداد

کل کتب خانے جو اس شہر میں ہیں انکی تعداد ۴۵ ہے۔ شاہی کتب خانہ جو **قصر ہمایوں** میں ہے اور نہایت قدیم ہے ان کے علاوہ ہے۔ ان کتب خانوں کی کل کتابیں ۸۵ ہزار ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ کتابیں ہوں گی لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور کمیابی کی حیثیت سے ہے۔ ان کتبخانوں میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ کتب خانہ جامع ایا صوفیہ۔ کتب خانہ جامع بایزید۔ کتب خانہ جامع یول۔ کتب خانہ حمیدیہ قدیم۔ کتب خانہ عاشر آفندی شیخ الاسلام۔ کتب خانہ اسعد آفندی نقیب الاشراف۔ کتب خانہ جامع محمد فاتح۔ کتب خانہ حمیدیہ جدید۔ کتب خانہ علی پاشا شہید۔ کتب خانہ نور عثمانیہ۔ کتب خانہ لالہ لی۔ کتب خانہ حکیم آغلی علی پاشا۔ کتب خانہ محمد پاشا کوپرلی۔ کتب خانہ قلیچ علی پاشا۔ کتب خانہ ولی الدین آفندی۔ کتب خانہ سلیمیہ۔ کتب خانہ فیض اللہ آفندی۔ کتب خانہ سلطان محمد قاضی زادہ۔ کتب خانہ جامع والدہ سلطان۔ کتب خانہ عاطف آفندی۔ کتب خانہ شاہزادہ داماد ابراہیم پاشا۔ کتب خانہ خسرو پاشا۔ کتب خانہ مہرشان کتب خانہ محمد آفندی۔ کتب خانہ مصطفےٰ آفندی۔ کتب خانہ توفیق آفندی۔ کتب خانہ سلیمانیہ کتب خانہ محمد آفندی مراد۔ کتب خانہ راغب پاشا۔ ان میں سے چودہ کتب خانوں کی مفصل۔

فہرستیں چھپکر شائع ہوگئی ہیں اور غالباً رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت پائیں۔

کتب خانوں کے لئے اوقاف

یہ کتب خانے جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے اگلے پاشاؤں اور امیروں نے قائم کئے ہیں اور سب کے سب وقف عام ہیں۔ ہر کتب خانہ کے ساتھ اسقدر جائداد بھی وقف ہی جس سے اُس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم۔ فرش اور معمولی فرنیچر۔ ملازموں کی تنخواہ۔ ادا ہوتی رہتی ہے۔ ان امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے ہندوستان میں مدتوں تک اسلامی حکومت رہی اور بڑی اوج و شان سے رہی۔ بڑے بڑے نامور وزرا اور اُمرا گذرے۔ لیکن آج ان کی ایک بھی علمی یادگار موجود نہیں۔

ان کتب خانوں سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں اُمرا کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتہً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر کتب خانوں میں وقف کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں جو اُن کے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں خود اُن سے اسبات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جمع کرنیوالوں کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا۔

کتب خانوں کی ظاہری حالت

یہ کتب خانے خوبی عمارت اور دیگر سروسامان کے لحاظ سے معمولی درجہ کے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں۔ ایک چبوترہ پر جسکے گرد لوہے کا کٹہرہ ہے کتابوں کو ڈھیر لگا دیا ہے تمام کتب خانوں میں زمین کا فرش ہے۔ البتہ

اسقدر تکلف سے کہ سامنے بنچیں بچھی ہوئی ہیں جن پر کتابیں رکھکر پڑھتے ہیں۔ کتب خانہ حمیدیہ جو حال میں قائم ہوا ہے اور سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار ہے اگرچہ زیادہ شان وشوکت کا ہے۔ عمارت خوبصورت اور وسیع ہے۔ میز۔ کرسیاں۔ کوچیں۔ جسقدر ہیں ان پر ریشمی گدّے ہیں۔ غرض تمام باتوں میں اور کتب خانوں سے مستثنےٰ ہے تاہم الہ آباد کی پبلک لائبریری کی برابری نہیں کرسکتا۔

اوقاف کا انتظام

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے متعلق ہے کتب خانے بھی گورنمنٹ کی زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے کتابیں اس احتیاط سے محفوظ ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے نہایت متدین اور راست کردار ہیں۔ کتب خانہ عاشر آفندی کا وقف اسقدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو روپئے ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے اسقدر دیانت دار اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تمکو معقول آمدنی ہوسکتی ہے۔ بولا کہ واقف کی شرط کے موافق یہ انگور صرف اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں اسلئے میں اُنسے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قلت تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے نہ رہنے کا کوئی مکان ہے کتب خانہ ہی میں رات کو پڑ رہتا ہے۔

کتب خانوں کی بعض خصوصیتیں۔

ان کتب خانوں کی خصوصیتیں اور اُنکی اجمالی کیفیت واقعات ذیل سے معلوم ہوگی۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو یہاں موجود ہیں۔ عموماً قدیم الخط صحیح اور اساتذہ سابقہ کی صحیح کردہ ہیں۔ قدیم اور نایاب کتابیں جن کے دو ہی چار نسخے دنیا میں ہوں انکا صحیح ہونا سب سے زیادہ مقدم ہے۔ ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مصر کے کتب خانہ میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں۔ لیکن اکثر زمانہ حال کی لکھی ہوئی ہیں اور اسوجہ سے چنداں صحیح اور قابل استناد نہیں۔ قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب و غریب نسخے کہاں سے بہم پہنچائے ہیں۔ اسرار البلاغت عبد القاہر الجرجانی کی مجکو مدت سے تلاش تھی۔ ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا۔ قسطنطنیہ میں اس کے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم الخط۔ اسی طرح کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ تذکرہ ابن حمدون۔ معجم الادبار یاقوت حموی۔ کتاب الاشراف للبلاذری۔ تاریخ کبیر امام بخاری۔ وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں۔

نسخوں کی صحت اور عمدگی۔

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمیدیہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زریں یا زرافشاں ہے۔ اور حاشیہ پر سنہرے بیل بوٹے بنے ہیں۔ ان تکلفات کیساتھ خط نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ چونکہ قدیم زمانہ کی کتابیں اس تکلف کے ساتھ کم ملسکتی تھیں۔ بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے اہتمام سے طیار کرائی ہیں۔ میں نے متعدد کتابیں جنمیں شفا بو علی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا نکلوا کر دیکھا اور صاحب کتب خانہ کی نفاست پسندی کی بیساختہ داد دی۔

خط کی عمدگی اور کاغذ کی زرافشانی۔

یونانی کتابوں کے ترجمہ

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں۔ یونانی و مصری کتابوں کے جو ترجمہ ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے۔ لیکن یہاں آ کر اس خیال کی غلطی ثابت ہوئی۔ اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اُسکے اعتبار سے تو موجود سرمایہ بھی نہونے کے برابر ہے تاہم جس قدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا چنانچہ انہوں نے اس باب میں یورپ کی کوششوں سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا۔ یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہے۔ لیکن لاٹین میں اسکا ترجمہ ہو گیا تھا جو اسوقت تک یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ اسعد آفندی ایک ترکی عالم نے اس لاٹین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور جا بجا کچھ اضافے کئے۔ میں نے یہ ترجمہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا بہت بڑا مجموعہ ہے اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے۔

تاریخ اور ادب کی نایاب تصنیفات

(۴) فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں جنمیں وہ جدت ہے جسکو میں مدت سے تلاش کرتا تھا اور یورپ کی تصنیفاتِ حال کے سوا اس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا۔ مثلاً قضاۃ کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن کسی نے اسطرف توجہ نہیں کی کہ حالاتِ زندگی کے ساتھ اُنکے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج کے طریقۂ انفصال مقدمات کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جا سکتا۔ کتب خانہ ینی جامع میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہے۔ مصنف کتاب کا نام ابو بکر محمد بن خلف وکیع ہے جو نہایت قدیم زمانہ

کا مصنف ہے اور تمام واقعات کو بہ سند متصل بیان کرتا ہے۔ اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اُس کے بہت سے فیصلے اور تجویزیں بھی نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے۔

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب کبھی نہیں دیکھی تھی بلکہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی جسمیں مضامین شعری کی تاریخ ہو یعنی فلاں مضمون۔ اول فلاں شاعر نے لکھا پھر رفتہ رفتہ فلاں فلاں شاعر نے یہ یہ اضافہ کیا یا اس اس طرح اُس کی صورتیں بدلیں۔ عاشر آفندی کے کتب خانہ میں میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی۔ مصنف نے دعوی کیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیۃ نے ایجاد کئے پھر متاخرین نے اُنکو ترقی دی اور نئے نئے پیرایے نکالے تمام کتاب اسی دعوی کے ثبوت میں ہے۔ مصنف ہر مضمون کے لئے عرب جاہلیۃ کا ایک شعر نقل کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اسلامی شعرا میں سے فلاں شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدلکر اس طرح لکھا۔ پھر دولت بنوامیہ اور عباسیہ کے شعرا نے اُسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی پر حیرت ہوتی ہے اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے کہ متاخرین اس قسم کی نادر تصنیف کی پیروی نہ کر سکے کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں ملتیں۔

حکما اور ائمہ فن کی تصنیفات

(۵) مشہور حکما اور آئمہ فن کی کتابیں جس کثرت سے یہاں موجود ہیں اور کہیں نہیں ملسکتیں۔ امام غزالی۔ بوعلی سینا۔ فخر رازی۔ فارابی۔ کی وہ کمیاب تصنیفات جن کے

نام صرف ابن خلکان وغیرہ کے ذریعہ سے معلوم ہیں۔ اکثر یہاں موجود ہیں۔ معارف وحقیقت کے متعلق بوعلی سینا اور حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی باہمیں جو خط وکتابت وقتاً فوقتاً ہوئی ہے وہ رسالوں کی شکل میں موجود ہے۔

ابن سینا کی نسبت یہ امر مدتوں سے بحث طلب ہے کہ اسنے فلسفہ یونانی پر کچھ اضافہ کیا ہے یا نہیں۔ کتاب الشفا میں اُسنے لکھا ہے کہ "میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ارسطو کا فلسفہ ہے اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمۃ مشرقیہ میں لکھا ہے"۔ یورپ والوں کو اس کتاب یعنی حکمۃ مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے اور چونکہ انکو یہ کتاب نہیں مل سکی اس لیے پروفیسر منک نے اپنی کتاب بط فلسفۃ الیہود والاسلام میں لکھا ہے کہ حکمۃ مشرقیہ ہم کو ملتی نہیں اور جو کتابیں ملتی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا نے کچھ اضافہ نہیں کیا"۔ کتب خانہ جامع ایا صوفیہ میں اس نایاب کتاب کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔ مسلمان تو اُس کے پڑھنے اور فلسفۂ یونانی سے موازنہ کرنے کی زحمت کب گوارا کرتے لیکن اگر یورپ والوں کو یہ کتاب ملجاتی تو کچھ شبہ نہیں کہ اس بحث کا کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں قطعی فیصلہ ہوجاتا۔ میں نے قلت فرصت کیوجہ سے اس کتابکو سرسری طور پر دیکھا۔ بظاہر اس میں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی تھی زیادہ تدقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو کچھ رائے قائم ہوسکتی۔

تاریخ اور ادب کی بعض کتابوں کے نام

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابیں جو میں نے یہاں دیکھیں انمیں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی تمام وکمال۔ تاریخ اسلام از علامہ ذہبی۔ ۸ مجلد۔

تاریخ الحکما از جمال الدین القفطی۔ تاریخ کبیر امام بخاری ۳ مجلد۔ تجارب الامم ابن مسکویہ۔ منتظم لابن الجوزی۔ مرأۃ الزمان لسبط ابن الجوزی۔ مسالک الابصار لابن فضل اللہ ۲۰ مجلد عقد الجمان لبدر الدین العینی ۱۰ مجلد۔ مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر لجمال الدین بن مکرم الانصاری ۴ مجلد۔ رحلۃ بن خلدون۔ نہایت الارب للنویری۔ طبقات الادبا لیاقوت الحموی۔ طبقات کبریٰ لابن سعد۔ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی۔ کتاب الاشراف للبلاذری تمام و کمال۔ سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ صناعتین للعسکری۔ دلائل الاعجاز عبد القاہر الجرجانی۔ تذکرہ بن حمدون۔ شرح تبریزی بر دیوان ابو تمام۔ دیوان ابو نواس مکمل سرقات المتنبی لابن العمید۔ مجموعہ رسائل ابو اسحٰق صابی۔

کتب خانوں کے ذکر میں مجکو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں یہاں بالکل بیکار ہیں۔ اوّلاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کیلئے کھلتے ہیں۔ اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے۔ ان باتوں کے ساتھ اعلیٰ مذاق کی یہ کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یوں ہی پڑی رہتی ہیں۔ کوئی شخص انکو اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا۔ کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھتا تھا تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کس قسم کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں۔ لیکن میں نے کسی کے سامنے مختصر معانی۔ ایساغوجی۔ شرح وقایہ۔ جلالین۔ وغیرہ کے سوا کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علما آنکلتے ہیں انکو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیائے اسلامی میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابتر اور ذلیل ہو گیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جسکا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جسقدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے آیندہ اسکی بھی اُمید نہیں

تنبیہ۔ میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص غرض سے کی اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اسکی طرف متوجہ کروں۔ یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا بہم پہنچانا اور اُنکو چھاپ کر شائع کرنا ہے۔ انہیں انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہمکو میسر آئی ہیں جن کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا کامل نسخہ بہم پہنچایا اور اوسکی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں۔ حالانکہ مصر و روم کے علما اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو یقین دلا دیا تھا کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی۔ بے شبہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہمکو اسکا علانیہ اقرار کرنا چاہیئے۔ بزرگان قوم سے میری درخوست ہے کہ وہ اس قسم کی ایک عظیم الشان انجمن بنائیں۔ عام چندے سے کافی سرمایہ جمع کیا جاے۔ قابل اور لائق مصنفین۔ کتابوں کے انتخاب کے لیئے ممبر مقرر ہوں۔ قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کرا کر منگائی جائیں اور چھاپ کر شائع کیجائیں۔ یہ کام بظاہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر چار کرور مسلمانوں میں سے . . امسلمان

بھی آمادہ ہو جائیں اور ایک قلیل مقدار چندہ کی دینا گوارا کریں تو اس کام کا انجام پانا کچھ مشکل نہیں۔

حیدرآباد میں دایرۃ المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں۔ ہمکو امید ہے کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کریگی ہم شکر گزاری کے ساتھ اسکی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہمکو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے اور ہمکو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد پر متوجہ ہوگی۔

زوایا یا خانقاہیں

زوایا

خانقاہیں جنکو یہاں تکیہ اور تکایا کہتے ہیں نہایت کثرت سے ہیں۔ اخیر رپورٹ جو مرتب ہوئی ہے اُسمیں ۵۰۰ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام و دیگر حالات کے درج ہیں۔ لیکن خانقاہ کے لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں۔ ان ممالک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ طریقہ ہے جو درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کے لیئے جدا جدا خانقاہیں ہیں۔ اُس ملک اور فرقہ کا مسافر وہاں آنکلتا ہے تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے خانقاہ میں جا سکتا ہے اور جب تک چاہے قیام کر سکتا ہے کہانا اور ایک وقت کی چاے مفت ملتی ہے۔ یہ فیاضی یہاں تک عام ہے کہ باوجود بُعد مسافت اور بے تعلقی کے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس۔ حلب۔ موصل۔ دیار بکر ان تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے لیئے جدا خانقاہیں ہیں اور اُن کے لیئے گوشت

اور جنس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے۔

یہ خانقاہیں اُمراء ورئیسوں نے قائم کی ہیں اور اسقدر جائداد وقف کر دی ہے جس سے مقررہ مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہے جسکو معقول تنخواہ وخوراک ملتی ہے اور خانقاہ کا تمام انتظام اُس سے متعلق رہتا ہے میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی۔ بعض بعض کی عمارت خوش فضا اور موزوں ہے۔ کہانے کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہے۔ خاص قسطنطنیہ کی خانقاہوں کے سالانہ مصارف کا تخمینہ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے اور اسمیں بھی اشتبہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا اُس عہد کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا۔

تم نے عربی تاریخوں میں پڑہا ہوگا کہ تمام ممالک اسلامی میں سیاحوں اور طالب علموں کا ایک تانتا بندہا رہتا تھا وہ انہی خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا۔ ابن بطوطہ کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی۔ چنانچہ اُس نے سفرنامہ میں ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے۔ لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو مفید تدبیریں مضر بنجاتی ہیں۔ مسلمانوں کو سیر و سیاحت۔ جغرافیانہ تحقیقات۔ تحصیل علم کا مذاق توجاتا رہا اس لیئے اب یہ طریقہ کاہلی۔ مفت خوری۔ دریوزہ گری کا ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور قومی زندگی کو نہایت نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے اکثر خانقاہوں میں خود جا کر دیکھا۔ کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں۔ نہ کسی قسم کا شغل ہے نہ کچھ کام ہے۔ لکھنؤ کے عہدیوں کا جو حال سُنا کرتے تہے۔ یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ شیوخ جنکو خانقاہ

کا انتظام سپرد ہوتا ہے اور تمام نقد وجنس اُن کے اہتمام میں رہتی ہے عموماً خائن اور بددیانت ہیں۔ خود نہایت آرام وعیش سے بسر کرتے ہیں اور مسافروں کے لیئے جو مقدار مقرر ہے اُسکا آدھا۔ تہائی۔ چوتہائی بھی اُنکو نہیں دیتے۔ ہندی خانقاہ کے شیخ ایک کشمیری صاحب ہیں انھوں نے کئی بیویاں کرلی ہیں۔ خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوالیا ہے۔ اکثر وہیں رہتے ہیں۔ ڈہائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لیئے مقرر ہے وہ قریباً کل حضرت کے تصرف میں آتا ہے اور مسافروں کو معمولی کہانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خانقاہ کی عمارت جابجا سے ڈھ چلی ہے۔ صحن میں کوڑے کرکٹ کا ڈہیر لگا رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔ میں نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تہیں۔ لیکن دیانت اور راست بازی کا پتہ کہیں نہیں ملتا۔ اس طرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بُری طرح برباد ہوتی ہے۔

مساجد جامع۔ اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور اُن کی خوبی عمارت اور عظمت وشان کے لحاظ سے قسطنطنیہ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکہتا۔ محمد فاتح کے عہد سے جو اس دار الخلافۃ کا پہلا تخت نشین تہا۔ آج تک جسقدر فرمانروا گزرے ہر ایک کی (بجز چند کے) ایک جامع مسجد موجود ہے اور بڑی شوکت وشان کی ہے۔ انمیں سے جامع فاتح۔ جامع سلیمان۔ جامع بایزید۔ جامع والدۂ سلطان۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایا صوفیہ زیادہ ممتاز ہیں اور ان سب میں جامع ایا صوفیہ اور بھی زیادہ عالیشان اور پرشوکت ہے۔ ان مسجدوں کی وضع ہمارے ہاں کی مساجد سے

بالکل الگ ہے۔ نہ دالان نہ محرابیں۔ نہ صحن۔ صرف ایک گنبد ہوتا ہے لیکن اسقدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی اسمیں آسکتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کے مذاق کے لحاظ سے ان مسجدوں کو خوبصورت اور موزوں نہیں کہ سکتے تاہم گنبد کی بے انتہا وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعتاً متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ ہر مسجد میں کئی کئی سو بتیوں کے آہنی جھاڑ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ کا رواج بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ اسپین کی عربی تاریخوں میں ثریا کے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جھاڑ مراد ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں شیشہ اور بلور کے ہوتے تھے یہاں لوہے کے ہیں۔ عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام ہے اور اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہب تسنن میں نہایت غلو تھا اور بات بات میں اُسکا اظہار کرتے تھے۔ عموماً ہر مسجد میں چار بڑی بڑی ڈھالیں چاروں کونے پر ہوتی ہیں اور اُن پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حرفوں میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان علی لکھا ہوتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح زیب و آرایش کے لئے دیواروں پر اُستادوں کے لکھے ہوئے قطعے لٹکاتے ہیں۔

مسجدوں کی آرستگی

تمام مسجدیں پر تکلف اور آراستہ ہیں معمولاً چٹائی اور جمعہ و عیدین کو عمدہ اور بیش قیمت قالین کا فرش بچھتا ہے۔ مسجد کے ایک طرف کچھ زمین چھوٹی ہوتی ہے جس میں وضو کرنے کے لئے سقاوہ بنا ہوتا ہے۔ میں نے اسبات کو نہایت پسند کیا کہ یہاں حوض کا مطلق رواج نہیں۔

جامع ایا صوفیہ

جامع ایا صوفیہ جو سب سے زیادہ عالیشان ہے اور تمام مسجدیں اسی کے نمونہ پر بنی ہیں

در اصل ایک بہت بڑا گرجا تھا جسکو قسطنطنین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اسکی تعمیر جاری رہی اور سو معمار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ **محمد فاتح** نے کسیقدر تغیر کر کے اُسکو مسجد بنا لیا۔ ابن بطوطہ نے اُسکو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اس کے اندر نہیں جا سکتا اس لئے میں اندر کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ باہر سے اسکی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ ہے اور تمام زمین میں رخام کا فرش ہے بیچ میں ایک نہر ہے جسکے دونوں کنارے پر ایک ہاتھ بلند رخام کی دیوار ہے اس دیوار میں عمدہ پچے کاری کا کام ہے اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے ہیں۔ گرجے کا صدر دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں" ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی۔ افسوس وہ اب باقی نہیں رہی۔ احاطہ جسمیں نہر تھی مسجد سے بالکل باہر ہے اور قہوہ خانہ بنگیا ہے۔

واقعی یہ عمارت عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے۔ بیچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۰ فٹ ہے۔ ۱۷۰ استون ہیں اور کل سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں۔ دروازہ جو قسطنطنین کے زمانہ کا ہے اور تانبے کا ہے اُسپر قدیم زمانہ کی تصویریں بنی ہیں اور اب تک قائم ہیں چھت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویریں تھیں اُن کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ قابل دید مقامات بہت ہیں مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم۔ سلح خانہ۔ خزانہ یعنی جہاں

تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصلی لباس و اسلحہ و جواہرات کے ہیں
توپوں کے ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ۔ یعنی عجائب خانہ قدیم جہاں نہایت قدیم زمانہ کے
پتھر او رکتبے ہیں۔ اسمیں سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن میں کم اشم
مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ اسلئے اُنہیں پر اکتفا کرتا ہوں جن کی خود میں نے سیر کی۔

ترس خانہ

ترس خانہ۔ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ۔ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے او
چونکہ حربی صیغہ سے تعلق ہے **محکمہ بحریہ** کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص
وہاں جا نہیں سکتا۔ خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ
علی ظبیان کے شناسا تھے۔ اُنہوں نے مہربانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا جسنے
ہمکو تمام کارخانہ کی بخوبی سیر کرائی۔ یہ صاحب عربی خوب سمجھتے اور بولتے تھے اور اسوجہ
سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے۔ یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے
جسکا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں متعدد بڑے بڑے
انجن ہیں اور اُن کے ذریعہ سے سیکڑوں کلیں چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اول ہم کو
اوپر کے درجہ کی سیر کرائی۔ پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے وہاں چند معزز افسر
ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ طیار کر رہے تھے۔ نقشہ جب طیار
ہو جاتا ہے تو دوسرے آفس میں بھیجدیا جاتا ہے جہاں اُس نقشہ کے موافق جہاز کا
مختصر سا نمونہ طیار کیا جاتا ہے۔ یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے اور باوجود مختصر ہونے کے
جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے یہ نمونہ اوّل سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے اور منظوری

کے بعد اسی کے نمونے کے موافق جہاز طیار کیا جاتا ہے۔ ان نقلی جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں کیا سمجھ سکتا تھا لیکن بظاہر نہایت دقت نظر اور استادی کا کام معلوم ہوتا تھا ان چیزوں کو دیکھ کر ہم نیچے اترے۔ یہاں سیکڑوں کلیں چل رہی تھیں اور جدا جدا کام ہو رہے تھے۔ ایک طرف پرزے ڈھل رہے تھے۔ ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سیکڑوں من کا گھن پڑتا تھا اور چادریں بنتی جاتی تھیں۔ اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے وہاں ایک جہاز تھا جو بالکل طیاری کے قریب تھا۔ صرف چادر چڑھانی باقی تھی۔ ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو ابھی کارخانے سے طیار ہوئی تھیں اور سمندر میں ڈالی گئی تھیں۔ ان جہازوں میں اوپر کے درجہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سارا جہاز لکڑی کا ایک وسیع تختہ نظر آتا ہے۔ آلات حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں یعنی باورچیخانہ۔ خوابگاہ۔ کھانے کا کمرہ۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اندر ہوتا ہے۔ ہمارے رہنما نے ہمکو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی۔ لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہم جلد باہر نکل آئے۔ نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صرف ترک چلاتے ہیں۔ تمام افسر اور کاریگر اور ملازم ترک ہیں۔ صرف ایک یورپین معمولی درجہ کا ملازم ہے اور وہ بھی قدامت کے لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے۔ انجن بھی یہاں طیار ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ یورپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے ایک افسر نے مجھ سے کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہمکو یورپ کی احتیاج نہیں رہی۔

تارپیڈو کی کشتیاں

مقتولان ینگ چری

مقتولان ینگ چری۔ ترکوں کی تاریخ میں ینگ چری کا لفظ نہایت امپارٹنٹ لفظ ہی سلطان آرخاں نے جو سلاطین ترک میں دوسرا تخت نشین تہا ۷۶۳ ہجری میں حکم دیا کہ اسیران جنگ سے جو ہر سال کثرت سے گرفتار ہو کر آتے تہے ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج طیار ہو۔ حاجی بکتاش شیخ جو سلطان کا مرشد تہا اس فوج کا نام ینگ چری رکہا جس کے معنے ترکی زبان میں فوج جدید کے ہیں۔ فتوحات کی کثرت سے اس فوج کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ یہ گرفتاران جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تہے اور فوج میں داخل ہو کر بہی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تہے تاہم ترکی حکومت کے ساتھ انکو یہ اخلاص تہا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تہا۔ ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صیدگاہ بنا رکہا تہا وہ انہیں جانبازوں کی بدولت تہا۔ ۱۸۲۶ء میں جب سلطان محمود نے یورپ کے اُصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا تو ان لوگوں نے بغاوت کی۔ سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے طیار کر رکہی تہی۔ اہل شہر نے بہی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا۔ غرض خاص قسطنطنیہ میں ایک سخت معرکہ ہوا۔ ینگ چری فوج بالکل برباد ہو گئی۔ اس کے ساتھ شاہی فوج کو بہی سخت نقصان پہنچا۔ اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے۔

یہ مکان اسی معرکہ کی عبرت انگیز یادگار ہے۔ وزیر اعظم۔ شیخ الاسلام اور ینگچری فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں ہیں سپاہیوں اور سپہ سالاروں

کی پُر رعب شکلیں۔ قدیم زمانہ کا لباس اور اسلحہ حرب۔ سکوت اور خاموشی کا عالم۔ یہ تمام باتیں جمع ہو کر کچھ ایسا ہیبت انگیز سماں پیدا ہو گیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے۔ دو پہلوانوں کو میں نے دیکھا۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ سر پر خود۔ چہرہ پر جھلم۔ ہاتوں میں آہنی دستانے۔ بدن میں زرہ اور چار آئینہ۔ ٹخنوں تک کے آہنی موزے۔ غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تہا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ گردی جوان ہیں جو خاص پائیگاہ کی خدمت پر مامور تہے۔ میرے تخمینہ میں ایک من لوہے سے کم بوجھ اُن کے بدن پر نہ تہا۔ تعجب ہے کہ اسقدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تہے۔ افسروں کے لباس عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ بعض بعض کی پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھر اونچی ہیں۔ یہاں ہر وقت سرکاری پہرہ رہتا ہے اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔

عجائب خانہ

موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ۔ عجائب خانے دو ہیں۔ ایک سرکاری جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہیں۔ سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے۔ افسوس ہے کہ مجکو اسکی سیر کا اتفاق نہیں ہوا۔

دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے۔ عمارت اور اور تمام چیزیں معمولی ہیں۔ جو کچھ سیر کے قابل ہے وہ دنیا کے مختلف حصوں کے آدمیوں کی مورتیں ہیں۔ یہ مورتیں اس خوبی سے بنائی ہیں کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک عورت دیکھی جس کے ہونٹ نہایت موٹے تہے اور نیچے کے ہونٹ میں آر پار چہید کر کے لکڑی کی گلی ڈالی تہی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور ہے۔ پہلے تو مجکو نہایت تعجب ہوا۔ پہر خیال آیا کہ ہمارے ملک میں ناک کان

ایک درد انگیز تماشا

چھید کر نتھ اور بالیاں وغیرہ پہناتے ہیں تو ہونٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس زینت سے محروم رکھے جائیں۔

یہاں میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشہ دیکھا۔ جسکا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں ایک شکنجہ میں دابی جارہی ہے۔ ایک کی پیٹھ پر جلتے ہوے لوہے کی پٹری رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگل کھال اُترگئی ہے۔ اسی طرح اوروں کو عجیب عجیب طریقہ سے اذیت دیجارہی ہے۔ یہ عورتیں صورت اور وضع و لباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کم سن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں۔ سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیبیوں پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کی ہوگی!! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہوکر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کیئے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا اُنکو انواع اقسام کی اذیتیں دیجاتی تھیں اور بیکسی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعہ کی یادگار ہیں۔ اسوقت مجکو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہمکو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا!!!

میں یہ معمانہ سمجھا کہ عجائب خانے کے بانی نے جو عیسائی ہے ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پر فخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے؟ اور حکومت ترک جو اُس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس

بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں۔

سیر گاہیں

قسطنطنیہ اور اُس کے اطراف وجوار میں کثرت سے عجیب پر لطف قدرتی سیر گاہیں ہیں اور غنیمت یہ ہے کہ شہر والے اس نعمت کے قدر شناس بھی ہیں۔ ہر سیر گاہ کے لئے ایک خاص دن مقرر ہے اُسدن وہاں عجب پُر لطف مجمع ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظر کے مذاق سے آشنا نہیں ورنہ خاص ان سیر گاہوں کو دیکھنے اور اُس سے مزا اُٹھانے کے لئے لوگ قسطنطنیہ کا سفر کرتے اور یہ کوئی عجیب بات نہ خیال کی جاتی۔ انہیں سے میں نے دو تین کی سیر کی اور انکے مختصر حالات لکھتا ہوں۔

خونکر صوی

خونکر صوی۔ قسطنطنیہ کی تمام سیر گاہوں میں سب سے زیادہ پر لطف اور دلفریب ہے اسی بنا پر اسکو سلطان المعظم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خونکر۔ فارسی لفظ خونگر کی تحریف ہے۔ ترکی میں خون کا مالک یا خون ریز یا بادشاہ وقت کو کہتے ہیں۔ اور صوی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں۔ اس بنا پر خونگر صوی کا لفظی ترجمہ "شاہی چشمہ" ہے۔ یہ مقام شہر سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور نہایت شاداب اور سرسبز ہے۔ اسمیں ایک قطعہ نہایت موزوں نکل آیا ہے جو پہاڑ کی بلند سطح پر واقع ہے خاص جس جگہ تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے وہ نہایت پر لطف مقام ہے۔ سایہ دار درختوں کی دورویہ قطاریں ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف آبشار

ہے جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہے درختوں کے نیچے جابجا دو دو چار چار آدمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں۔ چائے اور قہوہ کا دور چلتا ہے۔ حوض پر باجا بجتا ہے اور فرنچ اور ترکی گانا ہوتا ہے۔ بھانڈ نقلیں کرتے ہیں۔

پانچ چھ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصل چوٹی ہے اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے۔ یہ خاص عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور کثرت سے ٹرکش لیڈیاں جمع رہتی ہیں۔ نازک اندام عورتوں کے لئے تیس تیس میل کی مسافت۔ پہاڑ کی چڑھائی۔ گھوڑے یا خچر کی سواری کچھ کم تکلیف کی بات نہیں لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلاویز ہے کہ سب تکلیفیں اسکے لئے گوارا کیجا سکتی ہیں۔

مقری کوئی

مقری کوی۔ یہ ایک قہوہ خانہ ہے جو عین سمندر کے کنارے پر ہے اور نہایت پرفضا مقام ہے۔ موجیں بار بار کرارے سے آکر ٹکراتی ہیں اور عجب مزہ آتا ہے۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ چھ سات یہودی عورتیں ایک بلند چبوترہ پر بیٹھکر عربی گیت گاتی ہیں۔ چونکہ میں نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سُنا تھا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا سب ملکر ساتھ گاتی تھیں۔ اور دف کی قسم کا ایک باجا بجاتی جاتی تھیں۔

محرم

قسطنطنیہ کا محرم

یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے۔ اہل عجم جو مختلف تعلقات کی وجہ سے یہاں بود و باش رکھتے ہیں ان کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے۔ بہت سے سرکاری محکموں میں ملازم ہیں۔ بہت سے تاجر پیشہ ور۔ اور مزدور ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن کثرت سے جہاں رہتے ہیں وہ والدہ خانہ نام ایک

محلہ ہے محرم کے زمانہ میں دہوم دہام کی مجلسیں اور نوحہ وبکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے۔ مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت اللفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ اور درحقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہوکر زبانی جناب امیر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی فضائل ومناقب کے متعلق اشعار پڑہتا ہے۔ پھر ایک مستعد عالم ممبر پر بیٹھکر حالات کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے۔ مجکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً اُن محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ترکوں کے لحاظ سے بجز ایک دو موقع کے اور تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہے ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے۔

ماتم کے عجیب وغریب طریقہ

ماتم کے چند طریقے ہیں اور بعض نہایت عجیب اور موثر ہیں۔ ادنے درجہ کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چہاتی پیٹتے ہیں یہاں تک کہ اُس جگہ کا گوشت اُبھر آتا ہے دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے۔ تیس تیس۔ چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں کہ دور تک آواز جاتی ہے۔ تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنے کا ہے اور وہ شب شہادت کے ساتھ مخصوص ہے۔ ماتم کرنیوالے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے صف باندہ کر کھڑے ہوتے ہیں اور عجیب جوش وخود رفتگی کے عالم میں یا حسین کہے جاتے ہیں اور سر وپیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں۔ زخموں سے خون کی چھینٹیں اُڑ اُڑ کر تمام بدن پر پڑتی ہیں۔ اور حلقۂ ماتم گویا لڑائی کا میدان

بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لیئے خلقت کا نہایت ازدحام ہوتا ہی۔ اور مشکل سے وہاں تک رسائی ہوتی ہے

سلاملق یا موکب سلطانی اور عید الضحیٰ

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پُراثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جسکا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اس لیئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے۔ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لیئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسوقت جو شان وشوکت اور عظمت وجلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعہ سے اس کی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہی اور اسوجہ سے اسکو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھکر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گزرگاہ پر ایک بالا خانہ ہے۔ معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے چنانچہ ہر جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے۔ میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں

شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔اس لیے قسطنطنیہ پہنچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ایک شامی عرب کو جنسے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہنچا۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔مجبوراً واپس آیا۔حسین حسیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ٹرکش کانسل تھے اور اَب قسطنطنیہ میں پوس کمشنر ہیں۔ وہ مجکو اسی ذریعہ سے جانتے تھے کہ محاربۂ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔اسی تعارف کی بنا پر میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا تمہارے لیئے میں ٹکٹ لے رکھونگا لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھیئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازہ پر اُنکا انتظار کرتا رہا۔قریباً ایک بجے جب **سلطان** کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیلکر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں اور تمام راستے رُک گئے۔میں مایوس ہوکر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اُٹھا معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آپہنچی اور "پادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے یہ نعرے پے درپے تین بار بلند ہوئے۔کوکبہ سلطانی مسجد تک آپہنچا اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

اسکا لفظی ترجمہ: ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے ۱۲

دونوں آوازیں ملکر دلپر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑہتے اور جوتی پہنکر جا سکتے ہیں گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھہری۔ مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی مسجد میں گیلری بنی ہی جو خاص سلطان کی نماز پڑہنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اُتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر طلسی پردے چھوڑ دیئے گئے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تہا عرب نہ تہا اس لیئے اُس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اُس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کرکے پرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑہے۔ اللھم انصر ھذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تہا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک بے اختیار زبان سے دعائیہ الفاظ نکلتے رہے عین اس موقع پر ایکبارگی پندرہ بیس شخص جنکے ہاتوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تہا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کرکے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھوکر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے داب اور سکون کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں

دریافت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے اس طریقہ کو بند نہیں کیا جاتا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تمکو ڈہونڈتا پہرتا تہا تم کہاں غائب ہو گئے تہے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں ملسکتا۔ لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑہ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تہی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تہا آکر ٹہرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندہ کر کہڑے ہوئے۔ حسین حسیب نے مجکو اسی صف میں لاکر کہڑا کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر (حسن اخلاق کی وجہ سے) تہ پیچہے ہٹ گیا۔ اور میرے لئے جگہ خالی کر دی۔

تہوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈہلواں سڑک ہے۔ فوجیں جو دُور دُور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کہڑی تہیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تہیں اور دوسرے دروازہ سے نکلجاتی تہیں۔ صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز ترک۔ کُرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزوں اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحہ مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے درپے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے

شاہنشاہ کے سامنے سے گزرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپیریل گارڈ ہے اُن کے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اُڑ کر عجب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گزریں۔ اخیر میں سلطان کے دونوں شہزادے آئے اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور اُن کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا۔ شہزادے بھی جا چکے تو سلطان زینہ سے اُترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعۃً سلام کو جھکیں میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی۔ پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لاؤنگا۔ لیکن ازخود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اُسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سماں دفعۃً آنکھوں سے چھپ گیا۔ ع۔ دیدہ من باز و بخوابم ہنوز۔ * سلطان جسوقت زینہ سے اُتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اسوجہ سے میں اچھی طرح انکو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرہ۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے

شبیہ سلطان الغازی عبدالحمید خان ثانی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ



محمد مبارک الٰہی کاپی نویس و مصور ہروی

مطبوعہ محمڈن پریس علیگڈہ

بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ٹرکش ٹوپی تھی۔

سلاملق کی رسم

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بنگیا ہے اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں، فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پایۂ تخت اور اُس کے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چندبار ملاحظہ سلطانی سے گزر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کرسکتا ہے اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہ تماشا دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا۔ تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے۔ قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھ بڑھ کر سامان ہوگا اُسکو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جسقدر اشعار اسوقت تک موزوں ہوگئے تھے لکھکر چھوڑ دیئے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے

ویں کہ ہر سید کہ زاں جلوہ گاہ — تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

بزم چو از جلوۂ زیبا پُر است — دامن چشم از تماشا پُر است

یہی پراثر اور پرجوش نظارہ مراد ہے۔

عید کا جلوس

عید کے دن سلاملق نہ تہی اور اسوجہ سے فوج کی تعداد کم تہی۔ لیکن شان وشوکت۔ جاہ وجلال۔ جوش واثر سلاملق سے بہی کچھ بڑہ کر تہا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑہ گھنٹہ تک تانتا بندہا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تہا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدہ میل تک تہیں اور انکی وضع اور لباس سے عجیب شان وشوکت کا اظہار ہوتا تہا۔ شانوں پر زریں پہول۔ دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر۔ سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈہکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹہا۔ یہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تہے۔ لباس بالکل سادہ تہا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تہے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اُٹہاتا تہا اور ہر قدم پر اس زور سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تہا کہ تمام میدان گونج اُٹہتا تہا۔

میں یہ سماں دیکہکر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹہا کہ جو کچھ خود دیکہا ہے دوسروں کو بہی دکہا سکوں۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کہینچی ہے وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔

مثنوی عیدیہ

جون سنہ ۱۸۹۲ء

مقام قسطنطنیہ

قاصد فرخندہ من ہاں تعال — متعک اللہ بحسن المآل
پیش رسیدت سفرے ناگزیر — گرم ز جا خیز و رہ ہند گیر
زود رو و فکر دو عالم مکن — در نفسے رہت کنی- ہم مکن
دیدہ براہ اند عزیزان ہند — جملہ گرامی گہر کان ہند
چوں تو دراں بزم کشی زمزمہ — دایرہ گردند بگردت ہمہ
تا ز حدیث تو شود بہرہ مند — ہر یکے از جائے جہد چوں سپند
جملہ بدیں حرف کہ اے نیکخوے — حرفے ازاں یار سفر کردہ گوے
تا بچہ حال ست و چسان ست خود — رفت چہا بر سرش از نیک و بد
بر روش دیدہ وراں میسزید — یا کہ چو بہمان و فلاں میسزید
از پس ایں محنت رنج شگرف — از سفر روم چہ بر داشت طرف
بزم خوشی بود تماشا چہ کرد — کار بسے بود از آنہا چہ کرد
در صف دانش طلباں چوں نشست — زاں چمن تازہ بدامن چہ بست

ٹے چو شود مرحلہ پرس وجوے — از من آوارہ بہ یاران بگوے

کاے ہمہ گنجینہ کشایان فن — صدرنشینان سر خوان فن

از کرم داور بالا و پست — حال من آں گونہ کہ بایست ہست

ہم بہماں طرز و روش میزیم — زندہ ام فارغ و خوش میزیم

گرچہ خودم یا سر و ساماں نیم — ناز کش حاجب و درباں نیم

نیست سر انجمن آراے — ایں منم و گوشۂ تنہاے

ونکہ بپرسید کہ زاں جلوہ گاہ — تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

ہیچ چہ تواں گفت کہ ذوقِ سخن — ہر نفسم مے برد از خویشتن

گرچہ بخواہم کہ نشینم خموش — فرصت آں کو کہ بیایم بہوش

گرچہ بعرض سخن آمادہ ام — مست ز کیفیتِ ایں بادہ ام

بگذر ازیں حرف و مکرر مپرس — خواب خوشی دیدم و دیگر مپرس

خوان سخن گر نہ خود آراستم — عذر بنہ محو تماشاستم

تندیٔ مے بود خمارم ہنوز — دیدۂ من باز و بخوابم ہنوز

با تو چہ گویم کہ چہا دیدہ ام — شعبدہ ہا پیش نظر چیدہ ام

بزم چو از جلوۂ زیبا پُر است
دامن چشم ز تماشا پُر است

مہر چو از جیب افق سر کشید — خاست ز ہر ناحیہ گلبانگ عید

دیده پر از خواب چو برخاستند | پیر و جوان جمله تن آراستند
طفل که این شیوه نداند درست | مادرش از مهر تن و روی شست
شیوهٔ و آئین طرب تازه گشت | کوچه و بازار پر آوازه گشت
مژده رسید این که شه چاره ساز | زود برآید باد اے نماز
تا برد از خوان کرم توشهٔ | خلق برون ریخت ز هر گوشهٔ
بسکه عنان طلب انگیختند | طفل و جوان بر سر هم ریختند
پیک نظر راه تماشا نیافت | نقش قدم هم بزمین جا نیافت
جمله بصد شوق و بصد آرزوے | سوے لب تنگ طاسش نهادند روے
سرمهٔ خاک ره شه خواستند | جا بگذرگاه سینه خواستند
از دو سوے راه بکسب شرف | خلق بآئین ادب بست صف
مهر چو در هر جهت افشاند نور | کوکبهٔ شاه عیان شد ز دور
گشت روان از پی هم خیل و فوج | موج تو گوئی که شکستی بموج
بود شعار همه از هم جدا | هر همه را رایت و پرچم جدا
پرتو آن اسلحهٔ تابناک | نور همی ریخت بدامان خاک
با همه تمکین چو گذشت این گروه | گشت بیکبار زمین پر شکوه
غلغله برخاست که بادا نوید | مهر جهانتاب خلافت دمید
داغ نه جبههٔ خورشید و ماه | حضرت خاقان خلافت پناه

قاعدهٔ دولت و دیں را مدار — آئینهٔ رحمت پروردگار
پیکر لطف و کرم کبریائے — سایهٔ یزداں شه کشور کشائے
خسرو لشکر شکن و قلعه گیر — شاه فلک عتبه و گردوں سریر
فاتحهٔ دولت و طغرای دیں — زیب ده افسر و تاج و نگیں
شاه فلک کوکبه عبد الحمید — ایده الله بنصرها مزید
قرهٔ شاهی ز جبیں آشکار — حاشیه بوساں به یمین و یسار
مرکب شه پیش چو بگذاشت پائے — خلق به یکبار در آمد ز جائے
طلعت شه باز چو پرتو فگند — بانگ دعا گشت ز هر سو بلند
شور بر آمد که بود تا جهاں — باد بکام تو زمین و زماں
چرخ بداں مایه که گردنده است — زنده بماں کز تو جہاں زنده است
زیب و طراز همه عالم توئے — سایهٔ یزداں بجهاں هم توئے
جمله بدانند که در غرب و شرق — هست ترا تاج خلافت بفرق
آں توئی امروز که در روزگار — هست برو دولت و دیں را قرار
تازگی بدر و حنین از تو هست — زیب و طراز حرمین از تو هست
جز تو که هست ای شه انجم سپاه — آنکه بود شرع نبی را پناه
فرهٔ دین نبوی از تو هست — بازوی اسلام قوی از تو هست
شرع بجاه تو چو شد ارجمند — باد بفرمان تو چرخ بلند

سکۂ اقبال بنام تو باد
ہر چہ بگیتی ہست بکام تو باد

ترکوں کے اخلاق وعادات وطرز معاشرت

قسطنطنیہ میں میں اگرچہ متصل تین مہینے تک رہا لیکن زبان کی اجنبیت کی وجہ سے ترکوں سے میرا میل جول بہت کم تھا۔ میرے ہم صحبت اور میرے احباب جسقدر تھے شام کے عرب تھے۔ اس لئے ترکوں کے اخلاق اور عادات کے متعلق میری واقفیت سرسری اور اجمالی ہے۔ میں نے اکثر کالج واسکول اور بعض صنعت وغیرہ کے کارخانے دیکھے۔ چند معزز عہدہ داران ملکی سے ملا اور اُنکے ہاں دعوتیں کھائیں۔ قہوہ خانوں میں کبھی کسی سے ملاقات ہوگئی۔ ٹراموے اور ریل پر کسی سے تعارف ہوگیا۔ غرض اس قسم کی موقعے تھے جنمیں مجکو ترکوں کے اخلاق وعادات کا تجربہ ہوا۔ اور اس باب میں میں جو کچھ لکھونگا انہی واقعات کی بنا پر ہوگا۔

ہرچند میری واقفیت کے ذریعے اسقدر محدود ہیں تاہم بعض امور کی نسبت مجکو بالکل یقین ہے کہ اُن کے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور اسمیں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں۔ انمیں سب سے مقدم ترکوں کی مہماں پرستی اور عام خوش اخلاقی ہے کچھ شبہ نہیں کہ ترکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں۔ غرور ونخوت۔ ترفع اور کم مہری۔ ان میں نام کو نہیں ہے۔ امیر وغریب۔ مزدور وعہدہ دار۔ وضیع وشریف۔

اور تفنگہ وغیرہ مین ۶ خرچ ہوے۔ یہ کل رقم خوجی آفندی نے ادا کی۔ میرے شامی احباب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے آفندی موصوف کا زیربار احسان ہونا گوارا نہ تھا لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نکر سکے۔

ایک دفعہ مین درویش پاشا کے مکان پر گیا وہان چند اور بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ سب سے تعارف ہوا اور دیر تک صحبت رہی۔ چونکہ اسوقت تک مین نے ترکی بوٹ کا استعمال نہین شروع کیا تھا اور انگریزی بوٹ پہنکر مکانکے اندر جانا یہان معیوب ہے مینے دروازہ ہی پر بوٹ اُتار دیا تھا۔ ترکونکے نزدیک بوٹ کا پانون مین نہونا بے سلیقگی مین داخل ہے۔ اسلیئے کسی کسی کو خیال ہوا۔ حاضرین مین سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معزز آدمی تھے چپکے سے اُٹھے اور ایک سلیپر لاکر میرے سامنے رکھدیا۔ ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا۔ نوجوان آدمی ہین۔ ریاضی مین انکی تصنیف حضور سلطانی مین پیش ہو چکی ہے۔ رخصت ہونیکے وقت مجھسے فرمایا کہ ہندوستان پہنچکر یاد رکھے گا کہ قسطنطنیہ مین کاظم بھی آپکا ایک نیازمند تھا۔

حسین حبیب آفندی جو پولس کمشنر اور معزز رتبے کے آدمی ہین ملاقات کے ساتھ اس لطف و مہربانی سے پیش آئے کہ مین بیان نہین کر سکتا۔ اصرار کر کے کھانا کھلایا۔ کوٹھی اور پائین باغ کی سیر کرائی۔ پردہ کراکر زنانہ مکان کے تمام کمرے دکھائے۔ رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجھکو بھی کچہری جانا ہے ساتھ ہی چلین گے چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے۔ لطف یہ کہ اسوقت تک میرا ذریعۂ تعارف بجز اسکے کچھ

جاہل وعالم - ہر درجے کے لوگوں سے مجھکو سابقہ پڑا۔ لیکن خوش اخلاقی اور فیاض طبعی مین گویا سب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سانچے کے ڈہلے تھے - غازی عثمان پاشا جنکو پلونا کے واقعے نے تمام دنیا مین روشناس کر دیا ہے اور درویش پاشا جنکا پوتا سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے اس مرتبے کے لوگ ہین جیسے ہندوستان مین گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف - مین دونون سے ملا ہون اور وہ جس تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اسکا اثر ابتک میرے دل مین ہے -

ایک عام بات یہ ہے کہ بازار مین چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبہ کا آدمی ہو راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور تمکو راستہ بتائیگا۔ بعض موقعون پر مجھکو نہایت تنگ اور پیچدار گلیون سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اور راستہ کی بھول جانیکی وجہ سے دیر تک حیران رہا - اتفاقاً کوئی ترک آنکلا تو اسنے رستہ بتانے پر اکتفا نہین کی بلکہ ساتھ ہو لیا اور جہان مجھکو جانا تھا وہانتک پہنچا کر واپس آیا۔

فیاضی و مہمان نوازی

فیاضی اور مہمان نوازی ترکون کی عام صفت ہے اور نہایت ادنی درجے کے لوگ بھی نہایت سیر چشم اور فیاض ہین - یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا کسی ہوٹل یا قہوہ خانے مین اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ مین جو کچھ خرچ ہوگا ایک شخص سب کی طرف سے دیدیگا گویا تمام لوگ اس شخص کے مہمان ہوتے ہین اور وہ میزبان ہوتا ہے - خونکر صوی جسکا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اوسکی سیر کو گیا تو خوجی آفندی ساتھ تھے - چونکہ یہ مقام قسطنطنیہ سے بیس پچیس میل ہے اور میرے ساتھ اور بھی چند احباب تھے - جہاز اور گاڑی کا کرایہ

نہ تہا. کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس قسم کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کے اخلاق نہایت عام ہیں اور اس کے لیئے وسیلہ وتعارف یعزت وجاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں۔

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے۔ اُمرا اور معزز عہدہ دار ایک طرف معمولی حیثیت کا آدمی بہی جس صفائی اور خوش سلیقگی سے بسر کرتا ہی ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں۔ میں نے دس ہزار کے تنخواہ دار سے لیکر بیس روپیہ کی آمدنی والوں تک کے مکانات دیکھے ہیں اگرچہ دونوں حالتوں میں نہایت تفاوت تہا اور ہونا چاہیئے تہا تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر برابر تہے ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تہا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بہی جاری ہے کہ دیوار سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کی برابر لمبے چبوترے بنے ہوتے ہیں اور اُنپر گدا بچہا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے۔ تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں علما اور درویشوں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے ایک آدہ کمرہ اس طریقہ پر بہی ضرور مرتب رہتا ہے۔ میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالیشان مکانوں میں بہی اس وضع کے متعدد کمرے دیکھے۔ زمانہ حال میں یورپین طریقہ زیادہ مروج ہے۔ ترکوں نے اُسمیں اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ درحقیقت قابل تعریف اصلاحیں ہیں۔ ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ ٹرکش قالین سے آراستہ ہوتا ہے) اس سرے سے اُس سرے تک سڑک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بہر چوڑی پٹیاں بچہی ہوتی ہیں۔ کمرہ میں

جو لوگ آتے جاتے ہیں اسی پر سے گزرتے ہیں۔ ادھر اُدھر پانوں نہیں رکھ سکتے ترکوں کا بوٹ اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا لیکن اس طریقہ سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے۔

کھانا یورپین طریقہ پر یعنی میز کرسی پر کھاتے ہیں۔ البتہ بعض باتوں میں فرق ہے اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو نوکر آکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اسکے بعد باری باری مختلف کھانوں کی رکابیاں آتی ہیں۔ اور میز کے بیچ رکھی جاتی ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں۔ چھری کانٹا بھی ہوتا ہے لیکن (اکثر) کھاتے ہاتھ سے ہیں۔ میں نے حسین حبیب آفندی پولس کمشنر اور درویش پاشا کے ہاں کھانا کھایا درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سمدھی ہیں میز پر ہمارے ساتھ تھے اور اسی طریقہ سے کھاتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقہ پر کھاتے ہیں

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اندر ایک کھٹکا ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگجاتا ہے باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹ کھٹاتا ہے۔ آواز سنکر نوکر یا صاحب خانہ کواڑ کھولدیتا ہے۔ اُمرا کے ہاں دروازہ کے بیرونی رُخ پر پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے۔ اس کی دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے اور نوکر کو خبر ہوجاتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت عام ہے یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے

بھی کُھلے نہین رہتے - اگرچہ دراصل سردی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہی -
لیکن اس سے طرز معاشرت مین خود بخود نہایت تہذیب و اصلاح پیدا ہو گئی ہی - ہر شخص
لا تدخلو بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا - کی تعمیل پر مجبور ہے -

ترکون کا لباس جیسا کہ مین اوپر لکھہ آیا ہون بالکل یورپین ہے - البتہ بوٹ مین ایک
اختراع کی گئی ہے اور وہ واقع مین قابل تعریف ہے - یہ بوٹ چرمی جراب و سلیپر کا مجموعہ ہے
جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہی - لیکن اڈہی نہین ہوتی سلیپر مین اندر اڈہی کے
پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے - جراب پہنکر جب اسکو پہنتے ہین تو جراب اسمین اٹک جاتی ہے
اور دونون ملکر خاصہ بوٹ بن جاتا ہے - بازار مین دونون پہنے پھرتے ہین - لیکن فرش
پر سلیپر اتار دیتے ہین صرف جراب رہجاتی ہے اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہی
فرش پر دھبہ تک نہین پڑتا -

ملاقات کا طریقہ نہایت مہذب اور پسندیدہ ہے - تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ
کھٹ کھٹاؤ تو اُسیوقت نوکر آکر دروازہ کھولدے گا - مکان مین اسی غرض سے ایک خاص
کمرہ فرش فروش سے آراستہ رہتا ہے - نوکر تمکو وہان بٹھادے گا اور قہوہ یا چائے
پیش کرے گا - اسکے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی وہ ملاقات کے کمرہ مین بیٹھیگا اور تمکو
وہین بلائیگا - بڑے بڑے معزز افسرونکی ملاقات کا یہی طریقہ ہے - انگریزونکی طرح احاطہ کے
باہر برانڈہ مین ٹہلنا اور دیر تک انتظار کرنا نہین پڑتا -

سلام کرنے کا عجیب طریقہ ہے - پہلے سینہ پر - پھر ہونٹون پر - پھر پیشانی پر ہاتہ رکھتے ہین

ان لعضا کا ہاتھ سے چھو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہے۔ اگرچہ اس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھ کو تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔لیکن مشاقی کی وجہ سے تینوں مرحلے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ اس ایجاد میں یہ فائدہ ہے کہ قد کو جھکانا نہیں پڑتا۔ اور ایشیائے تعظیم وادب بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔ مجلس میں سلام کرنے کا جو طریقہ ہے وہ زیادہ تکلف آمیز ہے۔یعنی بیٹھ جانے کے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف الگ الگ مخاطب ہو کر سلام کرنا پڑتا ہے بالکل اس طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے۔معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنوانہ تکلف کس نے سکھایا۔

ترکوں کی معاشرت میں مجکو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان وشوکت کا نام نہیں۔ بڑے بڑے وزرا۔ اُمرا بازار میں نکلتے ہیں تو معمولی حیثیت سے نکلتے ہیں۔ میں نے بارہا وزیراعظم کی سواری دیکھی ہے صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں۔سپہ سالار کل علی رضا پاشا کے ساتھ پانچ چار سوار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مکانات اور تمام معاشرت کی چیزوں میں بھی سادگی پائی جاتی ہے۔ عثمان پاشا۔ درویش پاشا۔ ذکی پاشا جس حیثیت اور رتبہ کے لوگ ہیں اس لحاظ سے اُن کے مکانات کو کم از کم حیدرآباد کا فلک نما اور بشیر باغ ہوا چاہیئے تھا لیکن وہ ہمارے مولوی مہدی علی صاحب کی کوٹھی کی برابر بھی نہیں۔ نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے۔ جیسا ہمارے ہاں کے نواب اور فرضی شاہزادوں

کے ہاں دستور ہے۔ حق یہ ہے کہ ترک اس بات پر جہاں تک فخر کریں بجا ہے کہ انہوں نے چھ سو برس تک سلطنت کے سایہ میں پلکر سپاہیانہ پن نہیں چھوڑا۔ ورنہ عباسی۔ فاطمی۔ اموی (اندلس والے) تیموری تو۔ سو ہی دو سو برس میں۔ اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے۔

ترکوں کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت و طریقۂ معاشرت ہی۔ دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپین اور ایشیاٹک اس مسئلہ میں افراط اور تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں اور اسوجہ سے دونوں کی حالت قابل اعتراض ہے۔ ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہے۔ ٹرکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن بیشرمی۔ شوخی۔ بیجا آزادی۔ رقاصی کی (اور وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ) ان کو تعلیم نہیں ہوئی ہے۔ وہ پردہ کی پابند ہیں۔ لیکن جاہل۔ دنیا سے بیخبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوانِ انسان نما نہیں ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں اور پردہ و حفاظت کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شرفا کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ علمی مضامین کے ساتھ فرنچ زبان بھی درس میں داخل ہے اور بعض بعض مدرسوں میں موسیقی کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ معلمات کی تعلیم کے لیئے ایک خاص مدرسہ ہے جسکی مہتمم رفیقہ خانم ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہے اور سلطان کے حضور سے اسکو درجہ دوم کا تمغۂ عنایت

ہوا ہے۔ صنعتی مدارس میں ایک مدرسہ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے جو کالج کہا جا سکتا ہے
اُسکا مہتمم عزیز آفندی ہے۔ اس مدرسہ کے ساتھہ ایک بورڈنگ بھی ہے جسکی مہتمم ایک فرنچ
لیڈی مادام ہالی ہے۔ بورڈنگ کا سکرٹری ایک تعلیم یافتہ ترک ہے جسکا نام حسن آفندی
ہے صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدار میں ہے جسکی معلمۂ اوّل خیریہ خانم ہے۔

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اسقدر عام ہوگئی ہے کہ زمانۂ حال میں مشکل ایسی عورت
مل سکتی ہے جس نے مناسب درجہ تک تعلیم نہ پائی ہو۔ بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں اور
مشہور اخبارات میں اُن کے آرٹکل نکلتے رہتے ہیں۔ جودت پاشا کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور
مصنفہ ہے۔ حال میں اسکی ایک نہایت عمدہ ناول شائع ہوئی ہے۔ جسکا نام "زنان اسلام"
ہے۔ عربی زبان میں اسکا ترجمہ بھی ہوگیا ہے اور بیروت میں چھاپا گیا ہے۔ اور بھی چند
عورتیں ہیں۔

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے۔ ہر درجہ اور ہر رتبہ کی عورتیں
بازار میں نکلتی ہیں۔ سیرگاہوں کو جاتی ہیں۔ دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں شریک
ہوتی ہیں۔ لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ واحتیاط کے دائرہ سے سر مو تجاوز نہیں ہوتا
ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے۔ اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے
بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کر سکتی۔

لباس بالکل یورپین ہے۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی گون پہن
لیتی ہیں جو گردن سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے اور اوپر سے نیچے تک بٹن لگے ہوتے ہیں

اس سے بجز چہرہ کے اور تمام جسم اس طرح ڈھک جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی۔ سر پر قصابہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے۔ دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہی یہ رومال باریک ململ کے ہوتے ہیں کوئی شخص پاس سے آنکھ جما کر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہو سکتا ہے لیکن ایسی بیہودہ جرأت کون کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ میں عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے جنسے میری جان پہچان ہو گئی تھی۔ اتفاق سے وہیں اُنکی دو نوجوان لڑکیاں جنمیں سے ایک کی شادی ہو چکی تھی اُن سے ملنے کے لئے آئیں۔ اُنھوں نے مجکو دونوں سے انٹرڈوس کرایا۔ حسب احترام۔ اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میری سامنے کھڑی تھیں مجکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیبیاں ہیں

قسطنطینیہ مین ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہو گا کہ قسطنطینیہ میں ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں۔ خود مجکو یہ گمان نہ تھا۔

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زاویہ ہے جسکا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں وہاں اکثر ہندوستانی آ نکلتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً گداپیشہ ہوتے ہیں۔ انکے سوا تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں اور ان کی حالت اور حیثیت بھی بُری نہیں ان کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں۔

نصرت علیخاں

نصرت علیخاں۔ یہ بزرگ اپنے تئیں دلی کا کہتے ہیں۔ انہوں نے قسطنطنیہ میں ایک اخبار بھی نکالا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے۔ انگلش سفیر نے باز پرس کی اور اخبار بند ہوگیا۔ اَب محکمۂ تعلیم میں نوکر ہیں۔ ڈیڑھ سو ماہوار تنخواہ ہے۔ ایک ترکی عورت سے شادی کر لی ہے۔ اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ خود سیاہ فام ہیں۔ لیکن لڑکیاں گوری چٹی ہیں۔

میرزا محمد بیگ

مرزا محمد بیگ۔ یہ بزرگ ملک اودھ کے رہنے والے ہیں۔ شاہی فوج میں معزز عہدہ پر مامور تھے۔ غدر سے پہلے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اب دس پندرہ برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ خوش اخلاق اور شریف الطبع آدمی ہیں۔

حسن ہندی

حسن آفندی۔ بدرالدین طیب جی بیرسٹر ایٹ لا ساکن بمبئی کے عموزاد بھائی ہیں۔ ہندوستانی اشیا کی تجارت کرتے ہیں۔ پہلے انکا کارخانہ بڑے فروغ پر تھا۔ چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار صرف دوکان کا کرایہ تھا۔ لیکن اب فیشن کے بدلجانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی اور کارخانہ سست ہوگیا۔ تاہم خوش حال سے بسر کرتے ہیں۔ مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے لحاظ سے امیرانہ ہے۔ ایک باغ بھی طیار کرایا ہے۔ تمام لوگ انکی عزت کرتے ہیں۔ سلطان کے یہاں سے مڈل بھی ملا ہے انگریزی بخوبی جانتے ہیں نہایت خوش اخلاق۔ فیاض۔ روشن ضمیر۔ نیک طبع۔ آدمی ہیں۔ ہندوستانیوں سے انکو عجیب اُنس اور محبت ہے۔ اور یہ حب الوطنی ہی میری اور اُن کی تعارف کا ذریعہ ہوئی۔ ایک

کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ فواد سے میری ملاقات عزیزانہ تعلق کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے ایک بھائی سامی بک انہیں دنوں قسطنطنیہ آئے اور ہم نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا اُسی کے ایک کمرہ میں فروکش ہوئے وہ مکتب الحقوق میں داخل ہونے کی طیاری کرتے تھے اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق میں بھی امتحان ہوتا ہے مجھسے درخواست کی کہ میں مختصر طور پر انکو منطق کے تمام مسائل پر عبور کرا دوں۔ اگرچہ میرا حرج اوقات تھا تاہم انکی خاطر سے میں نے انکو اور انکے ساتھ دو تین اور طالب علموں کو ایساغوجی پڑھائی۔ حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلہ میں وہ لوگ پاس بھی ہوگئے۔ اس طرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک قہوہ خانہ میں جو عین لب دریا ہے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور عجب لطف و مزے کی صحبت رہتی تھی۔ کبھی کبھی مغرب کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے۔ **فواد** کو گانا آتا ہے۔ مزے میں آکر عربی گیت گایا کرتے ایک دن مجھسے فرمایش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤں میں نے بہتیرا کہا کہ "بھائی۔ میں مولوی آدمی ہوں۔ مجکو گانے سے کیا واسطہ" لیکن وہ کب مانتے تھے آخر مجبور ہوکر میں نے اُردو کی دو تین شعر آواز کو گٹا بڑھا کر پڑھے اور کہا کہ ہندی میں یوں ہی گاتے ہیں۔

عبد السلام آفندی

عبد السلام آفندی۔ بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے۔ یہ اُس کے ایک معزز ممبر ہیں۔ بیت المقدس کے مفتی جنکا ذکر آگے آئیگا اسی خاندان سے ہیں۔ یہ پہلے جنٹ مجسٹریٹ تھے کسی وجہ سے معزول ہوگئے۔ اور اسی فکر میں یہاں آے ہیں۔ نہایت لائق فائق۔ تعلیم یافتہ اور زندہ دل آدمی ہیں۔ ایک مدت تک میں اور یہ ایک ہی مکان میں رہے

دفعہ میں بازار میں پھر رہا تھا۔ آفندی موصوف سامنے سے گزرے۔ مجکو دیکھکر بے اختیاراً بڑھ کر پوچھا "آپ ہندوستانی تو نہیں"۔ اسوقت میرا لباس عربی تھا۔ طرہ یہ کہ جواب میں اتفاقاً زبان سے بجائے ہاں کے نعم کا لفظ نکلا۔ تاہم میرا ہندی ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا۔ وہ گلے سے لپٹ گئے اور بولے کہ "آپ تو ہماری چیز ہیں ہم سے بچکر کہاں چلے تھے"۔ میں جب تک وہاں رہا اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے۔ معلوم نہیں یہ مہمان نوازی انکی طینت کا خمیر ہے یا قسطنطنیہ کی آب وہوا کا خاصہ ہے

اُنکا پتہ یہ ہے قسطنطنیہ۔ مجوہر مدستانده۔ حاجی حسن علی آفندی ہندی۔

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہے کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کریں تو انسے ضرور ملیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی غمخوار نہیں ملسکتا ہے۔

قسطنطنیہ کے احباب

نہایت ناشکری ہوگی اگر میں قسطنطنیہ کی پر لطف داستان ختم کروں اور اُن محبت کیش دوستوں کا نام نہ لوں جو اس چندروزہ اقامت میں میرے یار غمگسار بن گئے تھے اور جلوت وخلوت میں ہمدم وہمراز رہتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالفتاح آفندی اور علی ظبیان کے سوا جنکا ذکر اوپر گزرچکا ہے باقی دوستوں کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں۔

فواد بک۔ مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں۔ دمشق کے قریب حصبایہ ایک موضع ہے جہاں حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے۔ یہ لوگ دولتمند ہیں۔ اور اسکے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ٹرکی حکومت کی طرف سے ابتک اُن اضلاع فواد بک

اور اسوجہ سے زیادہ میل جول ہوگیا۔ اکثر علمی بحثیں کیا کرتے تھے۔ فلسفۂ حال سے واقف اور اُسکے معترف ہیں۔ اُنکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا کوئی مسئلہ فلسفۂ حال سے مخالف نہیں۔ اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ میں اُنکی مسافر نوازی اور اسلامی ہمدردی کا ازبس ممنون ہوں۔ ایک مشکل موقع پر اُنہوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اُسکا ذکر مناسب موقع پر آئیگا۔

خواجہ آفندی۔ معزز آدمی ہیں۔ درویش پاشا کی بھتیجی ان سے بیاہی ہے اور پاشائے موصوف انکو نہایت عزیز رکھتے ہیں۔ اُنہیں کے مکان میں یہ رہتے بھی ہیں۔ میں چند بار انسے ملا۔ فارسی بےتکلف بول لیتے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج آدمی ہیں۔ ہمیشہ چاے اپنے ہاتھ سے بناکر پلاتے تھے۔ ایک بار میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ خونگرصوی کی سیر مجکو انہی نے کرائی تھی۔

ملا محمد آفندی۔ موصل کے رہنے والے ہیں۔ عربی بقدر ضرورت پڑھی ہے۔ فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ انکی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں مجبورانہ ایک تکیہ میں رہتے ہیں اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں باایں ہمہ نہایت باحمیت اور غیر تمند ہیں۔ میں نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے انکا نام لیا اسوقت تک مجکو ان سے بالکل تعارف نہ تھا اسلیئے میں نے عـــہ ماہوار پر انکو مقرر کرنا چاہا۔ یہ رقم اُن کے لیے عطیۂ غیبی تھی۔ لیکن جب اُنکو معلوم ہوا کہ میں صرف تحقیقات علمی کے لیئے یہاں آیا ہوں تو معاوضہ لینے سے انکار کیا اور مفت پڑہاتے رہے۔ اکثر میری قیامگاہ پر آکر پڑہا جایا کرتے تھے۔ ٹوٹی پھوٹی ترکی جو میں نے سیکھی

شبیهٔ عثمان پاشا غازی



انہیں سے سیکھی۔ افسوس ہے کہ اب وہ بھی محفوظ نہیں رہی۔

ان دوستوں کے سوا اور بہت سے چشم آشنا احباب پیدا ہو گئے تھے جنکا ذکر چنداں ضروری نہیں

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور تمغہ مجیدی کا عطا ہونا

یہ وہی نامور جنرل ہے جسنے پلونا میں چوبیس ہزار روسی مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کئے تھے۔ جسکے مقابلہ میں شہنشاہ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کر دی تھی اور خود سپہ سالار بنکر گیا تھا۔ جسنے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا۔ اور میدان جنگ میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہ روس نے اُسکی کمر میں تلوار باندہی۔ اور مہینوں تک اپنا مہمان رکھا یہ واقعات اُسی زمانہ میں اخبارات کے ذریعے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے اور بچہ بچہ اس نامور بہادر کے نام سے واقف ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ میں اگرچہ میں کسی فوجی افسر سے نہیں ملا اور نہ ملنا چاہا۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرۂ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہوتا۔

پاشائے موصوف اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ٹرکی میں کوئی شخص اُن سے بڑھکر بلکہ اُنکی برابر بھی نہیں۔ اور اس لحاظ سے مجکو اُن تک رسائی کی کم اُمید ہو سکتی تھی۔ تاہم شوق کی بیتابی نے نہ مانا اور میں ایک مترجم کو ساتھ لیکر اُنکے مکاں پر گیا گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا۔ دربان نے اندر جانے کی اجازت دی قاعدہ کے موافق ملاقاتیوں کے کمرہ میں جا کر بیٹھا ایک معزز ترک وہاں تشریف رکھتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد

قہوہ منگوایا۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی۔ پاشائے موصوف زنانے میں تھے۔ کہلا بھیجا کہ ذرا دیر میں آتا ہوں۔ قریباً دس منٹ کے بعد ایک لازم آیا اور مجکو بالاخانہ پر لے گیا ایک خوبصورت کمرہ آراستہ تھا۔ ہم وہاں بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پاشائے موصوف تشریف لائے۔ جن صاحب کو میں نے ترجمی کے لیئے ساتھ لے لیا تھا۔ سر رشتہ تعلیم کے ایک افسر تھے انہوں نے حسب قاعدہ آگے بڑہ کر پاشائے موصوف کے دامن کا کنارہ چوما اور مؤدبانہ طور سے پیچھے ہٹے۔ میں نے طریقہ سنت کے موافق سلام کیا۔ پاشائے موصوف نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑہایا۔ مزاج پرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا۔ مترجم نے کہا کہ "ہندوستان کے علما میں سے ہیں اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں"۔ یہ سُنکر نہایت مہربانی اور توجہ ظاہر کی اور دیر تک مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے۔ رخصت ہوکر میں اُٹھا تو خود بہی اُٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں تو مجکو خوشی ہوگی۔

پاشائے موصوف پست قامت ہیں۔ دُہرا بدن ہے۔ رنگ گورا اور چمکتا ہوا ہے چہرہ سے ہیبت اور شجاعت ٹپکتی ہے۔ عمر ۶۰۔۔۷۰ کے بیچ میں ہے لیکن بڑہاپے کا مطلق اثر نہیں ہے۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں اور چونکہ ایک مدت تک یمن کے گورنر رہ چکے ہیں۔ عربی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ پلونا کے واقعہ کے بعد سلطان نے انکو کمانڈر انچیف اور صیغہ جنگ کا وزیر کر دیا تھا لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں رہ سکتے تھے سلطان نے اس عہدہ پر فواد پاشا کو مقرر کردیا اور انکو مابین کی افسری دی جسکی وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں

سلطان کو پاشائے موصوف سے زیادہ کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں ہے اور اسوجہ سے انکو اپنے پاس سے جُدا نہیں کرتے۔ جمعہ و عید کو جب سلطان مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو اُنکے ساتھ گاڑی میں عثمان پاشا کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کمرہ میں آن بیٹھے۔ میں اندر داخل ہوا تو کرسی سے اُٹھ کر دو ایک قدم بڑہے اور پہلے دن کی طرح ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد میں جب جب اُنسے ملا تو اسی طریقہ سے ملے۔ پاشائے موصوف مجھپر نہایت مہربان ہو گئے تھے۔ جب میری روانگی کا زمانہ قریب آیا اور میں نے اُنسے کہا کہ اب میں یہاں دو چار دن کا مہمان ہوں۔ تو فرمایا کہ ایک دو دن جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔ اسی اثنا میں انہوں نے سلطان سے میرے لئے تمغہ مجیدی عطا ہونے کی درخوست کی اور منظور ہو گئی لیکن مجکو اسکی کچھ اطلاع نہ تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوے آئے اور جگا کر کہا کہ یا شبلی واللہ لقد طلع لك النیشان مجکو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یوں ہی کہتے ہو۔ آخر تمکو معلوم کیونکر ہوا؟ بولے کہ تمام اخبارات میں چھپ گیا ہے۔ میں اُسیوقت اُٹھا اور ایک قرات خانہ میں جا کر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تہی۔ اُسیوقت مجکو خیال پیدا ہوا کہ میں انگریزی رعیت ہوں اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اس کی اطلاع دینی ضرور ہے۔ دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا۔ اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے میں اپنا کارڈ چھوڑ آیا دوسرے دن تمام احباب مبارکباد کو آئے۔ میں نے ایک مختصر جلسہ دعوت ترتیب دیا۔ شیخ علی ظبیان۔ عبدالسلام آفندی۔ فواد۔ سامی۔ شریف۔ اور دیگر احباب شریک جلسہ تھے

دعوت کی صبح کو عثمان پاشا کی وداعی ملاقات کو گیا۔ تمغہ کی خبر ابھی عام ہو گئی تھی کہ پاشائے موصوف کے مکان پر پہنچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا "تمغہ مجیدی مبارک"۔ مجکو تعجب ہوا کہ اسکو کیونکر خبر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں اُمرا اور پاشاؤں کے نوکر چاکر عموماً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں۔ پاشائے موصوف نے ملاقات کے ساتھ تمغہ کی مبارکباد دی۔ تمغہ سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ بکس سے نکالکر پہلے انہوں نے آنکھوں سے لگایا (سلطان کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی تُرک لوگ اس حد تک تعظیم کرتے ہیں) پھر مجکو حوالہ کیا۔ میں سر و قد کھڑا ہو گیا اور سلطان کو دعا دی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادہ سے اُٹھا تو پاشائے موصوف نے فرمایا ذرا دیر اور تشریف رکھیئے۔ یہ کہکر دوبارہ

تمغہ مجیدی



قہوہ منگوایا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اخیر میں فرمایا کہ میں آپکی تشریف آوری کا مشکور ہوں۔ جلتے چلتے کہا کہ ہندوستان پہنچکر تمام مسلمانوں اور بالخصوص علما اور فضلا کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ عثمان آپ لوگوں سے دلی محبت رکھتا ہے۔ میں نے نہایت خلوص اور جوش کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ پاشائے موصوف نے

مجکو اپنی عکسی تصویر عنایت کی اور اُسپر دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے "اشبو فوتوغراف
شبلی النعمانی آفندی یہ ہدیہ المشدد محرم الحرام سنہ ۱۳۱۱ ہجری یعنی "میں نے اپنا یہ فوٹوغراف
شبلی نعمانی کو ہدیہ دیا" یہ تصویر اسوقت میرے پاس موجود ہے اور میں اسکو ایک بڑا
تبرک اور نشان فخر سمجھتا ہوں جو میرے خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ تمغہ کے
ساتھ جو فرمان عطا ہوا اسکی نقل ذیل میں ہے۔

عثمان پاشا کا خط

نقل فرمان بخط فارسی

ہندوستان علی گڈہ نام محلندہ کاین دار المعلمین معلم اولی شبلی النعمانی آفندی نن شایان
تلطفات سنیہ شاہانہ م اولدیغنہ بناءً اشرف افزای سنوح وصدور اولان امر و فرمان
معالی عنوان پادشاہانہ م موجب عالیسی اوزرہ کندوسنہ مجیدی نشان ذیشانک دردنجی
رتبہ سندن برقطعہ سی عنایت واحسان قلنمش اولدیغنی متضمن اشبو برات عالیشانم
تصدیر اولندی حرر فی الیوم الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنۃ عشر وثلث مایۃ۔

ترجمہ

شبلی النعمانی آفندی جو دار المعلمین علیگڈہ واقع ہندوستان کا معلم اوّل ہے۔ چونکہ شاہانہ
تلطفات کا مستحق خیال کیا گیا اسلئے اسکو تمغہ مجیدی درجہ چہارم کے عطا ہونیکے لئے
حکم والا صادر ہوا۔ اور اسکی سند کے لئے یہ فرمان عالیشان صادر ہوا۔ تحریر ہوا۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۰ھ

یہ عجیب اتفاق کہ میں نے تمغہ کو قسطنطنیہ۔ بیروت۔ مصر کسی مقام میں کبھی استعمال نہیں
کیا۔ ہندوستان میں پہنچکر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کر کے استعمال کروں

سلطنتہای غیر کے تمغوں کے متعلق گورنمنٹ کا رزولیوشن

چنانچہ جناب ہریسن صاحب مجسٹریٹ علی گڈہ نے باضابطہ چٹھی کے ذریعہ سے گورنمنٹ میں سفارش کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ رزولیوشن مورخہ ۲۔مئی ۱۸۸۶ء ملاحظہ طلب ہی۔ اس رزولیوشن کا ماحصل یہ ہے کہ "گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمغہ استعمال یا قبول نہیں کرسکتی تاآنکہ پہلے جناب ملکہ معظمہ سے اجازت نہ حاصل کیجائے"۔ اس حکم کی تعمیل کے موافق میں تمغہ کو استعمال نہیں کرتا

قسطنطنیہ سے روانگی۔ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

قسطنطنیہ میں میں پورے تین مہینے مقیم رہا۔ اخیر اخیر طبیعت اُچاٹ ہوچلی تھی یہانتک کہ میں سلطان کے جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نکرسکا۔ قسطنطنیہ میں ہر سال صفر کی آٹھویں رات جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہے بڑی دہوم دہام سے جشن ہوتا ہے تمام شہر میں چراغاں کیاجاتا ہے شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑے تکلف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھ خلوص اور محبت کی دلیل ہے اُمرا اور پاشاؤں کے ہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے شیخ علی ظبیان نے مجھے کہاکہ پچھلے سال درویش پاشا کے مکان میں چودہ ہزار مومی گلاس روشن کیے گئے تھے۔ سڑک پر جسقدر مکانات ہیں اُنکے دروازوں پر روشنی کے حرفوں میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہے "بادشاہم چوق یشا" یعنی "ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے"۔ یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ فرنچ۔ جرمن۔ انگریز۔ اور اور یورپ کی قومیں جو یہاں مقیم یا خوشباش ہیں اُن کے دروازوں پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہوتا ہے۔

سلطان کی تخت نشینی کا جشن

مجکو نہایت افسوس ہے کہ مین نہ پر لطف اور پر جوش تماشا نہ دیکھہ سکا۔ برخاستگی طبیعت کے ساتھ کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ترکی حکومت میں ہر جگہہ یہ جشن ہوتا ہے۔ تم جہاں کہیں ہو گے یہ سیر دیکھہ سکو گی لیکن یہ ظاہر ہے کہ دارالسلطنتہ میں جو شان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہے وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ طرہ یہ کہ مجکو بد قسمتی سے اس جشن کی معمولی سیر بھی دیکھنی نصیب نہوئی۔ کیونکہ اس تاریخ تو میں عالم آب میں تھا یعنی جہاز پر سوار تھا اور آبادی سے دور آ چکا تھا۔

روانگی کے وقت احباب کی مشایعت

یاد ہو گا کہ میں جب قسطنطینہ میں داخل ہوا تھا تو یکہ و تنہا تھا۔ لیکن واپسی کیوقت دوستوں کا ایک گروہ ساتھ ہے۔ تمام احباب بندرگاہ تک ساتھ آئے ہیں رخصت کے وقت بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے ہیں اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کے وعدے لیتے ہیں

جہاز پر پہنچا تو حسن ہسنسکر پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے۔ ان سے ملکر نہایت خوشی ہوئی۔ دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا۔ شیخ علی ظبیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن دمشق کو جا رہے تھے سب سے ہمسفر اور مونس و غمگسار تھے۔ جہاز۔ رودس۔ سمرنا۔ سائپرس ہوتا ہوا بیروت پہنچا۔ ایک دن

جہاز پر ایک ناگوار واقعہ

جہاز پر عجیب برہمی اور بے لطفی ہوئی۔ سائپرس میں دو شہر ہیں۔ لرنکہ اور لمونہ۔ دونوں جگہہ جہاز لنگر کرتا ہے۔ لرنکہ میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے انہیں سائپرس کا ایک رئیس تھا اور چونکہ

اسکو صرف لمو تک جانا تھا تیسرے درجہ کی چھت پر ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے بستر کے قریب آبیٹھا۔ شیخ موصوف باوجود فضل وکمال کے تنک مزاج آدمی ہیں۔ رئیس مذکور نے انکے بستر پر کوئی چیز رکھدی۔ اتنی بات پر یہ برہم ہوگئے۔ وہ غریب توچپ رہا لیکن اُسکا نوکر جو صورت سے قوی اور تنومند معلوم ہوتا تھا ضبط نہ کرسکا۔ بات زیادہ بڑہی۔ یہانتک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادہر اُدہر سے آکر جمع ہوگئے۔ عربوں کا سہارا پاکر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے۔ نوکر نے کہا آپ غصہ کیوں کرتے ہیں؟ ہم آپ کی کچھ رعایا نہیں ہیں۔ ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے"۔

ان الفاظ کا اُسکے موںھ سے نکلنا تھا کہ تمام عرب برہم ہوگئے۔ یہانتک کہ ایک عرب نے کمر پکڑ کر اُسکو اُٹھالیا اور کہا کہ "مردود! تجکو دریا میں پھینکدیتا ہوں"۔ اگرچہ ہجوم کی وجہ سے نہایت کشمکش تھی اور بعض آدمی اُسکو روکتے بھی رہے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارے تک پہنچگیا اور اس زور سے دو تین جھٹکے دیئے کہ قریب تھا کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے۔ اُسوقت چند آدمیوں نے نوکر کو بزور اُس کے قبضہ سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ کمبخت جہاز کے کسی گوشہ میں چھپ جا۔ پھر بھی تمام عرب۔ دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے مجکو تعجب ہوتا تھا کہ جہاز کے افسر یہ ہنگامہ اپنے آنکھوں سے دیکھتے تھے اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے۔

بیروت میں قیام کا سبب

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہنچا۔ شیخ علی ظبیان جہاز سے اُترے۔ میں بھی ان کے ساتھ اس ارادہ سے اُترا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آجاؤنگا۔ شہر میں پہنچکر معلوم

ہوا کہ شیخ طاہر مغربی اتفاقات سے آج کل یہیں ہیں۔ شیخ موصوف دمشق میں مدرس ہیں اور اُنکے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے۔ میں نے قسطنطنیہ میں ان کے اوصاف سنے تھے۔ شیخ علی ظبیان نے کہا "تمکو ان ممالک میں دوبارہ آنا نہیں ہے۔ شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ غرض انکی صلاح سے میں جہاز سے اپنا اسباب اتروا لایا اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا۔ چونکہ یہ شہر صوبۂ دمشق کا اسٹیشن اور اضلاع شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے۔ اسیلئے میں اس کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ مورخین اسکے زمانہ تعمیر کی ٹھیک تعیین نہیں کر سکتے لیکن اسقدر یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا ۲۲۲ء میں جب اسکندر سفیروس۔ رومتہ الکبریٰ کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی۔ جو کئی سو برس تک بڑے اوج پر قائم رہی ۱۳ھ ہجری میں اسلام کے قبضہ میں آیا لیکن زمانہ مابعد میں کئی بار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلکر عیسائیوں کے قبضہ میں آیا یہاں تک کہ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول نے اسکو فتح کیا اور اُسوقت سے آج تک ٹرکوں کے زیر حکومت ہے۔

بیروت کی موجودہ ترقی

اس موجودہ ترقی کی ابتدا ۱۸۴۲ء ہے اور اُسوقت سے آج تک تجارت اور آبادی کو روز افزوں ترقی ہے۔ بیس برس پہلے اسکی مردم شماری چالیس ہزار تہی ۱۸۷۵ء

میں ستر ہزار ہوگئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے جسمیں ۰۰۰، ۲۲ مسلمان ہیں باقی عیسائی اور کچھ یہود اور دُرزی ہیں۔ شہر کا قدیم حصہ نہایت خراب ہے۔ سڑکیں اور گلی کوچے تنگ اور ناہموار۔ اور مکانات پست اور کم فضا ہیں۔ لیکن جدید حصہ نہایت پر رونق اور خوشنما ہے۔ ہوٹل۔ سرائیں۔ قہوہ خانے۔ کثرت سے ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا میں ہے اور عجب فضا کی جگہ ہے۔

زبان یہاں کی عموماً عربی ہے۔ عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں

لباس اور وضع — لباس اور وضع۔ عرب کے قریب قریب ہے۔ لیکن پاجامہ کابلیوں کے انداز کا ہوتا ہے میانی سونڈ کی طرح زمین تک لٹکتی ہے اور یہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ ایک پاجامہ دس بارہ گز سے کم میں نہیں طیار ہوتا۔ مسلمان۔ عیسائی۔ دُرزی۔ سب یہی لباس پہنتے ہیں۔ البتہ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں۔ آب و ہوا کسی قدر مرطوب ہے تاہم مشہور یہ ہے کہ تندرستی کے لیئے بہت مفید ہے۔ یہانتک کہ اور اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لیئے یہاں آتے ہیں شاید ایسا ہی ہو لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہی میں جب تک وہاں رہا طبیعت بدمزہ رہی۔ دو تین دن بخار بھی آیا اور علاج کی ضرورت پڑی۔ البتہ لبنان جو ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہاں سے تین چار میل ہے آب و ہوا کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے متنبی نے اسی کی نسبت کہا ہے۔

وعقاب لبنان وکیف بقطعہا — وھی الشتاء وصیفھن شتاء

بیروت
کی
علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت کی علمی ترقی

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانہ سے شروع ہوئی ہے لیکن جس تیزی سے یہ شہر ترقی کر رہا ہے اور ترقی کی جس حد تک آج پہنچ چکا ہے اُس کے لحاظ سے تمام ممالک اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اسکا ہمسر نہیں ہے۔ اور بعض خصوصیتوں میں تو اُسکو قسطنطنیہ پر بھی ترجیح ہے۔

عربی زبان کے ساتھ اعتنا

عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے اور وہ ہر طرح ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم دواوین بہم پہنچائے ہیں اور اُنکو چھاپ کر شائع کیا ہے۔ خنسا۔ عنتر بن شداد العبسی سمعیل ابوالعتاہیہ۔ ابن ہانی۔ ابوفراس۔ وغیرہ کے دیوان انہیں لوگوں کی بدولت ہم تک پہنچے ورنہ انکا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام کے ساتھ (اتحاد مذہب کی وجہ سے) اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے اُن تمام شعرا کے اشعار یکجا جمع کئے ہیں اور انکا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے۔ تین چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اور باقی طیار ہو رہی ہیں۔ اسمیں جاہلیۃ اور اسلام دونوں زمانہ کے شعرا داخل ہیں۔ اخطل نصرانی جو فرزدق اور جریر کا معاصر اور دولت بنی امیہ کا مشہور شاعر تھا۔ اسکا دیوان بہت نہایت کوشش اور اہتمام سے مستقل طور پر چھاپا ہے۔ یہ دیوان نہایت نایاب اور عزیز الوجود تھا

یہانتک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بہی اس سے خالی تہے۔ صرف شہنشاہ روس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تہا۔ چنانچہ اسکی نقل وکتابت کا انتظام کیا گیا اور سینٹ پیٹرسبرگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اُس کی تصحیح کی۔ یہ قلمی نسخہ جسکو پروفیسر مذکور نے خود اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تہا۔ مجکو دکہلایا گیا۔ اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوق علمی کا دل سے اعتراف کیا۔ مسلمانوں! تمکو بہی کچھ غیرت آتی ہے؟۔

ان لوگوں نے خود بہی فن ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں۔ چنانچہ روضۃ الادب فی طبقات شعراء العرب۔ مجانی الادب۔ شرح مجانی الادب۔ مشہور اور شائع ہو چکی ہیں۔ تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں لکہی ہیں وہ بہی انہیں عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے اُنکو اُجرت اور صلہ دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائیں اور اُنکو اپنے اہتمام سے چہاپا اور شائع کیا۔ مقامات بدیعی۔ اور رسائل بدیعی کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چہپکر شائع ہوئی ہیں اسی طریقہ سے طیار ہوئی ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچہا کہ ان لوگوں کو عربی زبان کے ساتھ اسقدر اعتنا کیوں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں اور اس انتساب پر انکو فخر ہے۔

لٹریچر کا مذاق اسقدر عام ہے کہ بچہ بچہ کو شعر وشاعری کا چسکا ہے۔ بہت سے لوگ صاحب دیوان ہیں اور دس پانچ قصیدے لکہنے والے تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں۔ ایک مشہور شاعر سے قہوہ خانہ میں ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ۴۰ برس سے مشق سخن میں مصروف ہیں۔

البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں۔ غزل اور بیہودہ مدح سرائی کے سوا۔ اور اصناف سخن سے ناآشنا ہیں۔ مضامین اور طرز شاعری کے لحاظ سے متاخرین کے سوا کسی کا کلام پسند نہیں کرتے۔ میں اکثر صحبتوں میں جاہلیۃ اور ابتداء اسلام کے شعراء کے اشعار پڑھتا تھا تو مجکو بدمذاق خیال کرتے تھے۔

علوم و فنون جدیدہ

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے۔ فلسفہ و صنائع و فنون جدیدہ کی اکثر کتابیں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصاب تعلیم ہے اور جو ہمارے ہاں کے انٹرنس اور ایف اے و بی اے کے برابر ہے عموماً عربی زبان میں ہے۔ صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرنچ زبان میں ہوتی ہے جسکی وجہ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کثرت سے نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمہ انکا ساتھ نہیں دیسکتا۔ فلسفہ و علوم جدیدہ کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فانڈیک ہے جو امریکا کا رہنے والا ہے اور ایک مدت سے بیروت میں رہتا ہے۔ اسی نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ طیار کر دیا ہے۔ جسکا نام نقش فی الحجر ہے۔ اسکے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں انسائیکلوپیڈیا کا بالکل وجود نہ تھا۔ اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا۔ اس نے ۱۸۷۶ء میں اسکی ابتدا کی اور اول کی چند جلدیں لکھیں۔ لیکن چونکہ اُس کا انتقال ہو گیا اس کے بیٹے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا۔ اتفاق یہ کہ وہ بھی مر گیا۔ اب پروفیسر مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی باقی جلدیں طیار کر رہا ہے۔ دس ضخیم جلدیں اسوقت تک شائع ہو چکی ہیں۔

تاریخی تصنیفات

تاریخ اور متعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کے ساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں انکی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آثار الادہار جس جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اس دعوی کی شاہد عادل ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی تصنیفات میں مذہبی تعصب کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صناجۃ الطرب اور اصول المعارف وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالیاں صاف محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مصنفین اکثر **لبنان** کے رہنے والے ہیں جنمیں سے بہت سے لوگ بیروت میں آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کوہستان (لبنان) میں عجب علمی مذاق پھیلا دیا ہے اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں اور ضرورت کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں لیکن جسوقت اُنکو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت ملجاتی ہے علمی اشغال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسکا یہ نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ علم یہاں ذریعہ دولت نہیں تاہم اس علاقہ میں کثرت سے اہل علم اور مصنفین پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں۔ خاص لبنان کے علماء اور شعراء کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف و تالیف جو کچھ ہے عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مسلمان ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

مدارس یہاں کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور فیس کا خرچ سالانہ	تعداد طلبا	تاریخ افتتاح مدرسہ
اسرائیلیہ	اسرائیلیہ	۲۰ پونڈ	۹۷	سنہ ۱۸۷۵ء
اعدادیہ	اسلام	۲۰ پونڈ	۱۵۰	سنہ ۱۸۸۲ء
اکلیریکیہ	روم آرتھوڈکس	مفت	۰	۰
بطریرکیہ	روس کیتھولک	۲۵ پونڈ	۱۳۷	سنہ ۱۸۶۶ء
الحکمۃ	مارونیہ	۰	۲۲۵	سنہ ۱۸۷۶ء
راہبات	لاتین	مفت	۱۱۵	۰
الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ یعنی شام کی علمی یونیورسٹی	انجیلیہ	۱۷ پونڈ	اسکا مفصل حال آگے آئیگا۔	سنہ ۱۸۷۵ء
الکلیۃ السوریۃ الطبیۃ یعنی شام کی میڈیکل یونیورسٹی	انجیلیہ	۲۲ پونڈ	۰	۰
قدیس یوسف	لاتین	۳۰ پونڈ	۰	۰
عورتوں کی تعلیم کے مدارس بھی کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس یہ ہیں				
باکورۃ الاحسان	روم آرتھوڈکس	۱۵ پونڈ	۰	۰
راہبات پروٹسٹنٹ	انجیلیہ	۳۰ پونڈ	۲۵۰	۰
ایضاً	ایضاً	مفت	۵۰۰	۰
عازریات تیامی	لیٹن	"	۰	۰
عازریات محبہ	"	۲۵ پونڈ	۰	۰
عازریات ناصرۃ	"	۳۰ پونڈ	۱۱۵	۰
سوریہ امیرکاینہ	انجیلیہ	۱۲ پونڈ	۰	۰

مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی تعلیمی ترقی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگی

قوم	تعداد طلبا اناث	تعداد طلبا ذکور	زنانہ معلم کی تعداد	مردانہ معلمین و مدرسین کی تعداد	تعداد زنانہ مدارس	تعداد مدارس ذکور
مسلمان	٥٠٠	٢٠٠٠	٢٠	٥٠	٣	٢١
عیسائی و یہود وغیرہ	٥٦٦٥	٦٧٣٠	١٥٠	٣٣٧	٣٣	٤٦

مسلمانوں کی تعلیمی حالت

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد گو فی نفسہ کم ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر ادنیٰ درجہ کے تعلیم والے شامل ہیں۔ ورنہ اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے انکی تعداد اسقدر کم ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں کسقدر افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں۔ تعلیم کی جو حالت ہے وہ نقشۂ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی۔ تصنیف و تالیف کا حال اوپر گذر چکا۔ اخبارات۔ مطابع۔ تجارت وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بدتر حالت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الكلية السورية العلمية

یونیورسٹی

بیروت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں لیکن یہ کالج یونیورسٹی ہے اور اسیوجہ سے اسکا نام کلیہ سوریہ ہے۔ کلیہ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور سوریہ ملک شام کو کہتے ہیں۔ یعنی شام کی یونیورسٹی۔ میں نے اس کالج کو تفصیل کے ساتھ دیکھا اور اسوجہ سے اس کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

یہ کالج ۱۸۶۵ء مین رومن کیتھولک پادریون نے قایم کیا۔ پروفیسر اور ٹیچر قریبًا ساٹھ ہین جنمین سے اکثر کالج ہی کے احاطہ مین سکونت رکھتے ہین۔

مین جب اس کالج مین گیا تو شیخ علی طبیان اور عبد الباسط آفندی ساتھ تھے۔ کالج کے دروازہ پر پہنچے تو عبد الباسط آفندی نے ہمکو وہین ٹھہرا دیا اور خود اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ انکے ساتھ ایک اور شامی شخص تھا۔ اسنے ہمارا استقبال کیا اور ہمکو ساتھ لیکر چلا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے۔ نیچے کے درجہ مین چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ ہے جسنے عمدگی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا مین روشناس کر دیا ہی۔ جس شخص نے ہمارا استقبال کیا اسکا نام الیاس ہے اور چھاپہ خانہ تمام اہتمام اسی سے تعلق ہے۔ الیاس نے پہلے ہمکو مطبع کی سیر کرائی۔ تمام کام کل کے ذریعہ سے ہوتے ہین رولر کاغذ کو خود کھینچ لیتا ہے۔ حرف پر سیاہی لگجاتی ہے۔ کاغذ دورخہ چھپتا ہے اور زمین پر گرتا جاتا ہے۔ حرف بھی یہین ڈہالے جاتے ہین۔ چنانچہ الیاس نے ہمارے سامنے چند حرف ڈہالے۔ یہانکے کارخانہ کے حرفون کی ایسی شہرت ہوگئی ہے کہ دور دور سے مانگ آتی ہے۔ لیکن یہ تعجب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی یہان کی مطبوعہ کتابون مین ہوتی ہے اور کہین نہین ہوتی۔ مین نے الیاس سے اسکی وجہ پوچھی۔ اسنے کہا کہ یہان حروف کی خوبی کے علاوہ اور بھی بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فرمہ اوتارنے کے بعد نمی دیکر ایک آلہ سے اس ترکیب سے دبایا جاتا ہی کہ حرفونکا ابھار بالکل جاتا رہتا ہے۔ اور کاغذ چکنا و صاف ہوجاتا ہی چنانچہ اسنے ہمکو دونون طرح کے فرمے دکھائے۔ اصلاح کیا ہوا فرمہ بعینہ پتھر کا چھپا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

چھاپہ خانہ

ہیں نے صفائی طبع اور حرفوں کی موزونی کی بہت تعریف کی۔ الیاس نے کہا کہ اصل میں اس تعریف کا مستحق ابوالضیا ایک ترک ہے جس نے یہ حرف ایجاد کیے ہیں۔ البتہ ہم نے اُسکو زیادہ جلا دی ہے۔

جلد سازی

مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے۔ نہایت عمدہ مطلا و مذہب جلدیں طیار ہوتی ہیں یہاں تک کہ شام و مصر سے فرمائشیں آتی ہیں۔ میں نے یہاں ہاتی دانت کے پٹھے دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

کالج

چھاپہ خانے سے فارغ ہوکر ہم نے کالج کو دیکھنا چاہا چونکہ اس کام کے لیئے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنما ہونا ضرور تھا الیاس نے پہلے پروفیسر انطون سے ہماری ملاقات کرائی یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک میں اس کی تقلید کیجائے۔ کالج کے ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو کالج میں سکونت رکھتے ہیں۔ اُن کے کمروں کے صدر دروازہ پر ایک چھوٹی سی تختی لٹکتی رہتی ہی۔ اس تختی پر جدا جدا سطروں میں صبح سے شام تک کے کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کس وقت کہاں ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟۔ مثلاً پہلی سطر میں لکھا ہے لکچر روم۔ دوسری میں کھانے کا کمرہ۔ تیسری میں سیر و تفرج۔ وعلی ہذا۔ تختی کی پیشانی پر ایک سوئی لٹکتی رہتی ہے۔ صاحب خانہ جسوقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اُس سطر کے سامنے تختی پر اٹکا دیتا ہے جسمیں کام اور کام کے موقع کا ذکر ہے۔ جو شخص ملاقات کو آتا ہے اول اُسکی نگاہ تختی پر پڑتی ہے اور اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ صاحب خانہ اسوقت کہاں ہے

اور کس کام میں ہے؟ مجکو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کالجوں کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر طبقہ میں رائج ہے۔ بہرحال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اس کی تقلید کیجائے۔

پروفیسر الطون

غرض الیاس نے ہمکو پروفیسر الطون سے ملایا۔ پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے۔ فرنچ زبان خوب جانتا ہے۔ عربی علم ادب کا اُستاد ہے۔ دیوان اخطل جو حال میں چھپا ہے اسی کی تصحیح اور اہتمام سے چھپا ہے۔ دیوان مذکور پر اُسنے جو حاشیے چڑہائے ہیں وہ مستقل شرح کی برابر ہے۔ اور اس سے اُسکی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کالج کا ہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جسکا نام البشیر ہے اسی کی اڈیٹری میں نکلتا ہے۔ ہمنے اس کی وجہ سے کالج کی ایک ایک عمارت اور آلات وغیرہ کی سیر کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لئے باعث فخر اور تمام مسلمانوں کے لئے موجب رشک ہے

عمارت کی خوبی

مصر و شام کا تو کیا ذکر ہے قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اسکی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا۔ عمارت اسقدر شاندار۔ موزوں۔ اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ اوپر کی منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے۔ اور سنگ سیاہ کی تپچے کاری ہے۔ کمرے نہایت کثرت سے ہیں

مدرسین کی تعداد

پروفیسر اور ٹیچر جو ۶۰ سے زیادہ ہیں اور شب و روز کالج ہی میں رہتے ہیں سب کے لئے الگ الگ کمرے ہیں۔ ایک عالیشان کمرہ جو نہایت عمدہ فرنیچر اور ساز و سامان سے آراستہ ہے اور جسکے بیچ میں مستطیل میز اور گرد بہت سی خوبصورت کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں اور استادوں کے لئے مخصوص ہے۔ فرصت کے اوقات میں وہ لوگ یہاں آبیٹھتے ہیں اور دوستانہ صحبت رہتی ہے۔ اسمیں ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جسکا جی چاہتا ہے کوئی کتاب

اٹھا لیتا ہے اور اس سے دل بہلاتا ہے۔ مجھکو اسوقت خیال آیا کہ ہمارے کالج مین یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہین جہان تمام اساتذہ گھڑی دو گھڑی مل بیٹھا کرین۔ حالانکہ اس قسم کی صحبت۔ دل بہلانیکے سوا قومی مذاق کے لئے نہایت مفید ہے۔

کالج مین سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے اور اس غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزین مہیا کی گئی ہین۔ بہت سی الماریان ہین جنمین عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور حجرے مٹی کے ٹکڑے ہین یہ نادر چیزین طبقات الارض کی تعلیم کے لئے دور دور مقامات سے مہیا کی گئی ہین۔ نباتات کا الگ کمرہ ہے اور بہت وسیع ہے۔ پروفیسر انطون نے مجھسے کہا کہ ان نباتات کی حفظ و پرداخت مین نہایت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھانس دکھائی اور کہا کہ یہ ہندوستان کے سوا اور کہین نہین پیدا ہوتی اور وہین سے منگوائی گئی ہے۔

کالج کا کتب خانہ

کالج کے ساتھ بورڈنگ بھی ہے اور اسی وضع کا ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے بڑے کالجونکے بورڈنگ ہین۔ کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہین ہے لیکن کتابین نادر اور کمیاب جمع کی گئی ہین۔

جو کتابین چھپی نہین اور اُنکے قدیم نسخے نہین مل سکتے۔ یورپ اور ایشیا کے مشہور کتبخانوں سے اُنکی نقل و استنساخ کا انتظام کیا ہے۔ ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ جو اپنے باب مین بے مثل اور نادر کتاب ہے مین نے اسی کتب خانہ مین دیکھی۔ اس کالج مین عربی زبان اور فرنچ کی تعلیم لازمی ہے۔ باقی زبانین اختیاری ہین چنانچہ ترکی کی ایک جرمن

کی ایک انگریزیکی پانچ لاٹین ویونانی کی سات کلاسین ہین - یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بانیان مدرسہ عموماً عیسائی ہین اور عیسائی بھی رومن کیتھولک جنہین بہ نسبت اور فرقونکے تعصب زیادہ ہوتاہے تاہم ادب کے نصاب مین قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتاہے کہ قرآن مجید کا فصاحت وبلاغت مین بےمثل ہونا انکو بھی مسلم ہے - علوم جو پڑہائے جاتے ہین انمین فلسفۂ حال وعلوم طبعیہ کے علاوہ موسیقی وتصویر کشی کا فن بھی داخل ہے

طالب علمونکی تعداد

طلبا کی تعداد ۵۰۰ - اور ۶۰۰ کے بیچ مین ہے جنمین مسلمان صرف ۹ یا ۱۰ ہین -

کالج کی عمارت باوجود اسکے کہ بیروت مین تمام چیزین نہایت ارزان ہین دس لاکھ فرنک مین طیار ہوئی ہے اور یہ کل رقم پادریونکی ایک جماعت نے ادا اور مہیا کی ہے -

طبی کالج

اس کالج کے ساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے - لیکن اسکی عمارت کسیقدر فاصلہ پر ہے پروفیسر انطون نے ہمکو اسکی بھی سیر کرائی - عمارت نہایت وسیع اور بلند اور آلات نہایت بیش قیمت اور کثرت سے ہین - تشریح کے کمرہ مین جو بہت لنبا اور وسیع ہے - انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے اور اس خوبی وصفائی سے بنائی ہے کہ نقلی ہونے کا گمان بھی نہین ہوتا - ایک ایک عضو کے متعلق جسقدر امراض ہین اسی تعداد کے موافق ہر عضو کے متعدد نمونے ہین - چنانچہ ایک خانہ مین کم وبیش ۲۰۰ آنکھین ہین - کسی مین پھلی ہے کسی مین ناخنہ ہے - کسی کی پلکین جھڑ گئی ہین - مینے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہین دیکھا ہے - لیکن مجھکو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان مین ایک کالج بھی اس سے بڑہکر بلکہ اسکی برابر بھی نہوگا -

پروفیسر انطون نے ہمارے لئے جو تکلیف اٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے وہ تمام ثمروں اور چیزوں کی ہمکو سیر کراتا رہا۔ یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اسکا دلی شکریہ نہ ادا کروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے ملکر خوش ہوا۔ چنانچہ اس ہفتہ میں البشیر کا جو پرچہ نکلا اُسمیں ایک اڈیٹوریل نوٹس میرے متعلق تھا جس کی عبارت یہ ہے۔ اجتمعنا فی ھذہ الایام علی حضرۃ العالم الشیخ شبلی النعمانی المعلم الاول للعلوم العربیۃ فی بلدۃ علی گڈہ من بلاد الھند فرأینا فیہ رجلا کثیر المعارف وھو جایز النشان المجیدی من الرتبۃ الرابعۃ۔ اقام فی الآستانۃ العلیۃ مدۃ ۳ ا شھر وحضر الی بیروت وتوجہ ھذہ النھار الی زیارۃ بیت المقدس ثم منھا الی مصر ثم الی بلاد الھند۔

جمعیات اور اخبارات

انجمنیں اور اخبارات اور رسالے

ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے اُسکے مقابل میں یہاں جمعیۃ کا لفظ ہے مصر وغیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے۔ انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور اُن کے مقاصد نہایت مفید ہیں۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں بعض مشہور انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔ جس سے اُنکے مقاصد بھی معلوم ہوں گے۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	روم آرتھوڈکس	رفاہ عام	مطران غفریل
تعلیم مسیحی	ایضاً	مذہبی	ایضاً

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
قدیس پولس پیغمبر رسول	روم آرتھوڈکس	مذہبی	مطران عفرئیل
خیریہ	ایضاً	اعانت فقرار	خواجہ سلیم
مرضیٰ	ایضاً	غریبوں کا معالجہ	خواجہ نجیب
دفن الموتیٰ	ایضاً	لاوارث اور غریب اشخاص کی تجہیز و تکفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	ایضاً	فن ادب	سیدۃ طریقہ
خیریہ	مارونیہ	اعانت فقرار	خواجہ حنانیہ
دائرہ علمیہ	ایضاً	ترقی علوم	مطران یوسف
اخویہ مار مارون	ایضاً	فن ادب	سلیم آفندی
یوحنا مارون	ایضاً	رفاہ عام	خواجہ خلیل
خیریہ	رومن کیتھلک	اعانت فقرار	بشارہ خوری
دیر القمر	؍؍	؍؍	خواجہ نخلہ
شمس البر	مسیحی	ادب	سلیم آفندی کساب
باکورۃ السوریۃ (یعنی شام کی صبح)	*	ادب	سیدۃ حنہ عتیق
انجیلیہ	انجیلیہ	رفاہ عام	خلیل آفندی سرکس

اس فہرست سے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جسقدر شاخیں ہیں سب کی الگ الگ

چنانچہ عبد الباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی
شیخ طاہر مغربی
دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک بار فرودگاہ پر بھی تشریف لائے۔ شیخ موصوف ابھی جوان ہیں۔ لیکن علم و فضل کی وجہ سے لوگ اُن کی بہت عزت کرتے ہیں۔ میں نے اُن کے کمال کا جس چیز کو جوہر سمجھا اور جسکا مجکو خود تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود خیال کے آدمی نہیں ہیں۔ نئے خیالات سے آشنا ہیں۔ کسی قدر فرنچ بھی جانتے ہیں۔ فرانس کی سیر کی ہے۔ قومی ہمدردی کا مادہ ہے اور مسلمانوں کے تنزل سے بیخبر نہیں ہیں۔ اگر یہ مذاق اِن ممالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے تو ترقی کی واقعی امید ہو سکتی ہے۔ شیخ موصوف دمشق کے مدرسہ میں مدرس ہیں۔ وہ صاحب تصنیفات بھی ہیں۔ اور ریاضی کی فن میں ان کی بعض تصنیفات چھپکر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ میں معمولاً عبد الباسط الانسی کی دوکان پر بیٹھا کرتا تھا۔ وہاں اکثر اہل علم اور ارباب مناصب آنکلتے تھے اور ان سے ملاقات و تعارف ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات میری
شیخ عمر حبلی
فرودگاہ پر بھی تشریف لائے۔ اُن میں سے شیخ عمر حبلی اور ایک اور صاحب جنکا نام اَب یاد نہیں رہا میرے حال پر نہایت عنایت فرماتے تھے۔ شیخ عمر حبلی مشہور رسالہ الصفا کی مالک اور مہتمم ہیں اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہیں۔ دوسرے صاحب جو طالب علم ہیں منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے۔ میں نے تنگی وقت کا عذر کیا۔ تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے مذاکرے رہتے تھے ایک دن مجھسے پوچھا کہ متنبی کی نسبت

انجمنین ہین - لیکن مسلمانون نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتہ نہین لگایا ہے -
اخبارات و رسالے جو یہان سے نکلتے ہین انمین البشیر - بیروت
تقدم - ثمرات الفنون - الصبح المنیر - الصفا - لسان الحال -
المصباح - الہدیہ - النشرۃ الاسبوعیہ - حدیقہ الاخبار - زیادہ مشہور ہین -
انمین بیروت - اور ثمرات الفنون کے سوائے اور تمام اخبارونکے مالک اور اڈیٹر
عیسائی ہین - چونکہ مطبع کو یہان آزادی نہین اسلیئے ان اخبارات مین معمولی خبرونکے
سوا اور کچہ نہین ہوتا - البتہ علمی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہین اور خصوصاً
الصفا اور المقتطف تو اس شان کے پرچے تہے کہ یورپ کے میگزینونکی برابری کرتے
تہے - افسوس ہے کہ الصفا بند ہو گیا اور المقتطف نے اپنا مقام بدلدیا یعنے
اب قاہرہ سے نکلتا ہے -

رصدخانہ

یہان ایک مختصر سا رصدخانہ بہی ہے جسکو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے
۱۸۷۴ء مین قایم کیا تہا - اسمین رصد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہین - ہر روز جو امور
رصد سے معلوم ہوتے ہین - اسکی اطلاع بذریعہ تار کے قسطنطنیہ بہیجی جاتی ہے اور وہانسے یورپ
وغیرہ مین شایع ہوتی ہے - اسکا اہتمام اب مسٹر رابرٹ کے ہاتہ مین ہے جو مدرسہ امیر کانیہ مین ریاضیات کا پروفیسر ہے

عام حالات اور بیروت کے احباب

بیروت کے علما

مین اوپر لکہہ آیا ہون کہ بیروت مین قیام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی ہی ملنا تہا

آپ کی کیا رائے ہے۔" میں نے کہا کہ "لہٗ حسناتٌ وسیاتٌ" بولے کہ "والحسنات یذھبن السیات"۔ مجکو اُنکا پرلطف جواب نہایت پسند آیا۔

دعوت میں مدعو ہونا

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علما کو مدعو کیا۔ شیخ عبدالقادر جزایری جو الجزایر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا رہا۔ اُس کے بھتیجے شیخ عبدالرحمن الجزایری مدت سے یہاں رہتے ہیں اور سلطان کے ہاں سے وظیفہ پاتے ہیں وہ بھی تشریف رکھتے تھے نہایت معمر اور صاحب علم ہیں۔ عبدالباسط الانسی کے مکان میں چھوٹا سا خوبصورت پائیں باغ ہے۔ سب لوگ وہاں بیٹھے۔ بنچ اور کرسیوں کی نشست تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ کھانے کے کمرے میں گئے کھانا انگریزی طریقہ پر تھا یعنی میز اور کرسیاں تھیں۔ اور ایک کھانا ہو چکتا تھا تو دوسرا لایا جاتا تھا۔ ایک ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی۔ میں نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان میں ایسا اتفاق ہوتا تو من تشبّہ بقوم کا فتویٰ لگایا جاتا۔ بولے کہ اُن ممالک میں یہی مناسب ہے۔ کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اس لیئے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات کا (گو وہ صحیح نہوں) قائم رکھنا ضرور ہے۔ تاکہ مذہب کا عام اثر کم نہونے پائے۔ لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں"۔ یہ صحبت دیر تک رہی اور بڑے لطف سے گزری۔ کھانے بھی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھے۔

طبیعت کی ناسازی

چونکہ یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے میری طبیعت برابر بدمزہ رہی۔ ایک دن بخار بھی

آگیا۔ عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی عبدالرحمن الانسی یہاں کے مشہور ڈاکٹروں میں ہیں اور مصر کے مڈیکل کالج میں اعلی درجہ کی تعلیم پائی ہے۔ علاج کی غرض سے میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت مہربانی کی اور کہاکہ "آپ جب قیامگاہ پر تشریف لیجائینگے تو دوا وہیں پہنچ جائیگی"۔ چنانچہ دو گھنٹے کے بعد ایک آدمی دوا کی شیشی لیکر آیا اور کہاکہ اگر اس سے آرام نہو تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجیئے گا۔ دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ بھی تھی۔ بخار اُسی دن جاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقہ پر تعلیم پائی ہے لیکن ایشیائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اسقدر باقی ہے کہ فیس درکنار دوا کی بھی قیمت لینی گوارا نکی۔

اس بخار نے بڑا ہرج یہ کیاکہ طرابلس کی سیر مفت میں جاتی رہی۔ اندنوں طرابلس کے بعض علما اتفاق سے وہاں آگئے تھے۔ ایک صحبت میں انسے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں نے نہایت اصرار کیاکہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو۔ طرابلس مشہور اسلامی شہر ہے۔ اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا یادگار مقام خیال کیا جاتا ہے۔ بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے۔ کافی وقت تھاکہ میں وہاں جاکر جہاز کی روانگی تک واپس آجاتا۔ میں نے ہر طرح طیاری بھی کرلی تھی۔ لیکن عین وقت پر بخار آگیا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ کہ احباب نے بھی ساتھ چھوڑا۔ شیخ علی ظبیان جو کئی مہینے تک انیس و ہمدم رہے تھے صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم تھے۔ دمشق

سے اُنکے والد ماجد کا خط آیا اور اُنکو مجبوراً جانا پڑا۔ رات کے آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا۔ رخصت کے وقت گلے سے ملکر میرے شانوں کو بوسہ دیتے تھے (یہاں یہ عام دستور ہی) اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیة من عرار

یعنی اب نجد کے عرار (ایک پھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اُٹھانا ہو تو اُٹھالو ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عرار نصیب نہیں ہونیکا۔

مغنی کا بیہودہ طریقہ

بیروت میں میں نے جس چیز کو نہایت ناپسند کیا وہ ایک مکان ہے جسکو مغنی کہتے ہیں۔ یہ نہایت نامہذب۔ اور مخرب اخلاق چیز ہے اور معلوم نہیں کہ ایک اسلامی حکومت نے اسکو کیونکر جائز رکھا ہے۔ عین سڑک پر ایک عالیشان دومنزلہ مکان ہے۔ اوپر کی منزل میں ایک وسیع کمرہ ہے جسمیں ترتیب کے ساتھ بہت سی کرسیاں بچھی ہیں صدر کیجانب ایک بلند مستطیل چبوترہ ہے۔ بہت سی یورپین لیڈیاں اسپر بیٹھکر گاتی بجاتی ہیں۔ ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو لیڈیاں چبوترہ سے اُترکر کمرہ میں ٹہلتی ہیں۔ اور معشوقانہ انداز کے ساتھ تماشائیوں کے پاس سے گزرتی ہیں۔ جسکو منظور ہوتا ہے اشارہ سے اُنکو بلاتا ہے اور وہ بڑے نازو انداز سے اس کے پہلو میں آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ نہایت بیحیائی اور بے شرمی کے ساتھ اختلاط شروع ہوتا ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالکر ٹہلتے ہیں۔ معانقہ۔ بوس وکنار غرض بیحیائی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا۔

بیروت سے روانگی

بیروت میں میری طبیعت یوں ہی بدمزہ تھی۔ شیخ علی ظبیان اور شیخ طاہر مغربی
کے چلے جانے کے بعد اور بھی وحشت ہوئی لیکن جہاز کے انتظار میں چار و ناچار دو تین روز
اور ٹھہرنا پڑا ۱۰ ۔صفر سنہ ۱۳۱۰ ہجری شام کی وقت بیروت سے روانہ ہوا۔ شیخ عبدالباسط
اور شیخ عمر جبلی بندرگاہ تک ساتھ آئے اور انہیں کے ذریعہ سے اسباب وغیرہ کے
انتظام میں نہایت آسانی ہوئی۔ دوسرے دن جہاز **یافہ** پہنچا۔ جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ
ملاحوں اور قلیوں کا حملہ ہوا اور اسقدر شور و غل اور ابتری پیدا ہو گئی کہ میرے حواس جاتے
رہے۔ میرا اسباب ہر چند نہایت مختصر تھا تاہم اُس کے بھی حصے بخرے کر لیئے گئے۔
اور جس ملاح کو جسقدر ہاتھ لگا لیکر چلتا ہوا۔ اور اپنی کشتی میں جا کر رکھ آیا۔ میں حیران تھا کہ خود
کہاں جاؤں۔ خستہ تن بتقدیر ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ کنارے پر پہنچکر دیر تک اُس کشتی کا انتظار
کرنا پڑا جس میں بقیہ اسباب تھا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو آگے پروانہ راہداری اور معائنہ اسباب کی
مصیبت کا سامنا تھا۔ بارے بہزار خرابی دوپہر تک ان جھگڑوں سے نجات ملی۔ اور نماز ظہر
کے قریب شہر میں پہنچا۔

یافہ **یافہ** جسکو انگریزی میں جافا کہتے ہیں نہایت قدیم شہر ہے توریت میں اسکا ذکر ہی
اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھا۔ سنہ ۱۳ ہجری میں کہ حضرت
عمرؓ کی خلافت کا عہد تھا اسلام کے قبضہ میں آیا چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا اسٹیشن ہے
یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں۔ اسلیئے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کی کثرت سے

آمد و رفت رہتی ہے۔ شہر کا وہ حصہ جسکو یورپین آبادی کہا جاسکتا ہے خوبصورت اور پرفضا ہے
میوہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں۔ انار نہایت عمدہ ہوتا ہے اور بہت سستا
آتا ہے۔ ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغوں کا ایک سلسلہ ہے
اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے۔ بیت المقدس یہاں سے ۴۰ میل ہے اب تو ریل جاری
ہوگئی ہے لیکن اُسوقت شکرم چلتی تھی۔ میں مغرب کے قریب سوار ہوا۔ راہ میں بعض مشہور مقامات
(رملہ وغیرہ) آئے۔ لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو برابر بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ سڑک اگرچہ
بڑے کج و پیچ سے چکر کھاتی ہوئی گئی ہے لیکن نہایت صاف اور ہموار ہے۔ پہاڑ کا دامن
بالکل سرسبز اور شاداب ہے۔ اور عجیب لطف و فضا کا مقام ہے۔ جابجا عرب بدوؤں
کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ مکانات اگرچہ تنگ و مختصر ہیں۔ لیکن بالکل سفید پتھر کے ہیں۔
سبزہ زار میں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دس بارہ میل چلکر ختم ہوا۔
اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی

بیت المقدس اور زاویۃ الھنود

بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے میں ایک ہفتہ یہاں رہا اور مسجد اقصیٰ اور قمامہ وغیرہ
دیکھی۔ سیر گاڑی سے اُتر کر میں سیدھا عبدالرزاق آفندی کے مکان پر گیا۔ اُنہوں نے
بے اعتنائی کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کے ساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانیکا قصد
کیا۔ راہ میں ہندیوں کا زاویہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ یہاں کے لوگوں سے ملنا مفید ہوگا
چنانچہ زاویہ میں داخل ہوا تو پہلے شیخ زاویہ کا سامنا ہوا۔ یہ شیخ رامپور کے رہنے والے

ہیں اور ایک مدت سے یہاں رہتے ہیں۔ بیچارے کچھ پڑھے لکھے نہیں۔ لیکن نہایت معقول اور منتظم آدمی ہیں۔ زاویہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے۔ ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کے لیئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہی۔ صحن میں پھولوں کی کیاریاں ہیں۔ سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد باتوں باتوں میں جب اُنکو معلوم ہوا کہ میں ہوٹل میں ٹہرنا چاہتا ہوں تو اُنہوں نے کہا کہ تمکو یہاں مفتی صاحب اور دیگر اہل علم سے ملنا ہے وہ ہوٹل میں ٹہرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ میں زاویہ ہی میں ٹہرا لیکن زاویہ کا کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ وہ فقرا اور محتاجوں کے لیئے مخصوص ہے۔

بیت مقدس۔ مسجد اقصیٰ۔ قمامہ

بیت المقدس کی ابتدائی تاریخ

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام ہے۔ لیکن یہاں زیادہ تر قدس کہتے ہیں۔ یہ متبرک شہر اگرچہ حضرت داؤد و سلیمانؑ کی انتساب سے شہرت رکھتا ہے اور گویا اس کے وجود کی تاریخ انہیں ابنیا کے عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ اُس عہد سے بہت پہلے موجود تھا۔ حضرت عیسیٰ سے ۱۰۴۸ برس پہلے حضرت داؤد نے اُسکو یدسیون سے چھینا اور اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ اسی عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے۔

موجودہ حالت

موجودہ شہر کی آبادی پچاس۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مکانات اور عمارتیں معمولی درجہ کی ہیں۔ سڑکیں بھی چنداں وسیع نہیں ہیں اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں اس لیئے زیادہ تنگی اور تاریکی ہے۔ شہر کے گرد پتھر کی شہر پناہ ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۴۳ء میں

طیار کرائی تھی۔ یہ حالت قدیم شہر کی ہے۔ لیکن جدید آبادی نہایت پرفضا اور پررونق ہے۔ سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عالیشان عمارتیں ہیں۔ بنگلے او کوٹھیاں کثرت سے ہیں اور احاطے عموماً وسیع اور سبزہ و چمن بندی سے آراستہ ہیں۔ تمام شہر کی زبان اور وضع و لباس عربی ہے۔ قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی بہت سے زاویئے اور تکیئے ہیں۔ ہر قوم اور ملک کے لیئے الگ الگ زاویہ ہے اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ مفت ملتا ہے۔

میوہ جات

آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ میں اگست کے آغاز میں پہنچا تھا۔ تاہم دن کو گلابی جاڑا ہوتا تھا اور رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی تھی۔ میوے کثرت سے اور نہایت شیریں و لذیذ ہوتے ہیں۔ اُسوقت انگور کا آغاز تھا۔ جس طرح ہمارے ہاں صبح کے وقت ہٹے۔ گاجریں وغیرہ ٹوکروں میں بھر بھر کر بازار میں لاتے ہیں اور دور تک ڈھیر لگ جاتا ہے بعینہٖ یہی حالت یہاں انگوروں کی ہے۔ میرا تمام دن یہ مشغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹھونگا کرتا تھا۔

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہے جسکی بنا حضرت داؤد نے ڈالی اور حضرت سلیمان نے انجام کو پہنچایا۔ مسجد کا احاطہ جسکو حرم کہتے ہیں نہایت وسیع ہے لیکن زیادہ تر ناہموار اور غیر مسطح ہے اور اکثر جگہ خودرو گھاس اور جھاڑیاں ہیں۔ میں نے لوگوں سے اسکا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ سلطان نے کئی دفعہ اسکی مرمت اور درستی کے لیئے رقم کثیر بھیجی۔ لیکن کارپردازوں اور مجاوروں نے اسکا بہت کم حصہ صرف کیا۔ طرہ یہ کہ میں نے خود مجاوروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ ہاں کچھ رقم مجاوروں کے تصرف میں بھی آتی ہے۔ اور کیوں نہ آئے

باورچی کھانا پکاتا ہے تو نمک خواہ مخواہ چکھ لیتا ہے"
مسجد کی عمارت جسکا طول (۱۰۰۰) گز اور عرض (۷۰۰) گز ہے نہایت خوبصورت پر تکلف اور شاندار ہے۔ چھت ستونوں پر ہے اور (۷۰۰) صرف سنگ رخام کے ستون ہین۔ جابجا پچے کاری اور طلائی کام ہے۔ یہ عمارت جسقدر ہے عبد الملک بن مروان کی بنوائی ہے البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد کے عہد کی ہیں۔ بائیں جانب عمارت دکسیقدر فاصلہ پر ایک وسیع تہ خانہ ہے۔ دس بارہ سیڑھیاں اُتر کر سطح زمین ملتی ہے۔ یہاں نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں محرابوں کے ستون نہایت وسیع اور بلند ہیں۔ مجاورین ان محرابوں کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں اور اسقدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں۔

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں۔ مثلاً قبۃ السلسلہ قبۃ المعراج۔ قبۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لیکن سب میں زیادہ پُرشان **قبۃ الصخرۃ** ہے۔ یہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس کی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہی۔ اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا۔ اہل عرب اسکو صخرہ اور ہمارے ملک کے عوام تخت ربّ العالمین کہتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ پتھر نہایت قدیم زمانہ کا ہی اور ہر زمانہ میں اس کی نہایت عظمت کی گئی ہے۔ عیسائیون کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسپر قدم رکھا تھا چنانچہ سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اسپر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال کے موافق اس نشان پر سونے کا قبہ صخرہ

بنایا تھا۔ مسلمان بھی اسکی نہایت عزت کرتے ہین لیکن ہمکو معلوم نہین کہ کسی صحیح حدیث مین بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے۔

بہرنوع قبہ کی صورت یہ ہے کہ ایک بلند چبوترہ پر مثمن برج ہے۔ جسکی بلندی کم وبیش (۱۰۰) فیٹ ہے۔ چھت اور دیوارون پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے اور باوجودیکہ مدتونکا بنا ہے تاہم اسقدر روشنی اور چمک ہے کہ نگاہ نہین ٹھہرتی۔ مختصر یہ کہ زیب و زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعوے چندان بیجا نہین کہ تمام ممالک اسلامیہ مین مین نے ایسی خوبصورت اور پُر تکلف کوئی عمارت نہین دیکھی، چند سیڑہیون سے اتر کر غار مین داخل ہوتے ہین جہان وہ مقدس پتھر رکھا ہوا ہے۔ غار اسقدر وسیع ہے کہ ساٹھ ستر آدمیون کی بخوبی گنجایش ہے۔ صخرہ زمین سے دو قدم بلند ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا مین معلق تھا۔ ممکن ہے کہ اوس زمانہ مین ایسا ہی ہو۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مدّور دیوار ہے اور صخرہ اسپر اسطرح رکھا ہوا ہے کہ دیوار کی چھت بنگیا ہے۔ مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا مین معلق دیکھکر لوگ اسکے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہان تک کہ ایک دفعہ ایک عورت کو اسقاط حمل ہوگیا۔ یہ واقعہ شیخ محی الدین اکبر کے عہد مین ہوا تھا۔ شیخ موصوف نے اسکے گرد دیوار کھنچوا دی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو"۔ مجاورین یہ بھی کہتے ہین کہ دیوار اسقدر بودی اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کیسطرح صخرہ کا بار نہین اٹھا سکتی۔ چنانچہ ایک مجاور نے میرے سامنے۔ دیوار کو انگلی سے کھٹ کھٹایا اور کھن کھن آواز نکلی۔

یہ واقعہ صحیح ہویا نہو مگر اسمین شبہ نہین کہ یہ مقام مدت تک انبیای کرام کا مسکن اور
وحی والہام کا مہبط رہا ہے۔ اسلیئے آیات اور تجلیات الہی کے جسقدر آثار یہان موجود
ہون محل تعجب نہین۔ بیت المقدس اور اُسکے قرب وجوار مین اور بہی بہت سی زیارت گاہین
ہین۔ مثلاً بیت اللحم۔ جہان حضرت عیسی علیہ السلام تولد ہوئے تھے مقام خلیل۔
جہان حضرت ابراہیم۔ وحضرت یعقوب۔ وحضرت اسحق کی قبرین ہین۔ وادی جہنم
جہان حضرت مریم مدفون ہین۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے مین ان
مقامات کی زیارت سے مشرف نہو سکا۔ مقام خلیل کے لیئے جو بیت المقدس سے
پندرہ۔ بیس میل ہے مین نے دو تین روز برابر کوشش کی لیکن اُن دنون یہودیون
کا کوئی تہوار تہا۔ اسلیئے سواریان بالکل ناپید تہین اور ملتی بہی تہین تو چوگنے کرایہ پر ملتی تہین

قمامہ

عیسائیون کا بڑا گرجا۔

یہ وہی قیامت زا مقام ہے جسکے لیئے ایک زمانہ مین تمام یورپ اُمنڈ آیا تہا اور
مدتون تک یہ طوفان برپا رہا تہا۔ یہ ایک نہایت وسیع گرجا ہے اور عیسائیون کے اعتقاد کے
موافق حضرت عیسی علیہ السلام اسی مقام مین مصلوب ومدفون ہوئے اور یہین سے آسمان
پر گئے۔ اس مکان کا اہتمام وانتظام اگرچہ عیسائیون کے ہاتہ مین ہے لیکن چونکہ ٹرکی
حکومت مین واقع ہے اور چہ لاکہ اہل یورپ کے مقابلہ مین صلاح الدین کی معرکہ آرائیون کی
یادگار ہے اسلیئے اسکا بواب یعنی کلید بردار مسلمان ہے۔ چنانچہ مین جب اس گرجا مین
گیا تو اُسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سیر کی۔

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے رُہبان اور قسیس نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔ اور بڑا سب سے پہلے مجکو اس مقام پر لے گیا جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق) آسمان پر گئے۔ یہ ایک مختصر سا حجرہ ہے۔ صدر کیجانب چبوترہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مورت ہے۔ تمام بدن بجز ستر عورت کے برہنہ ہے۔ صورت سے کسی قسم کے تقدس اور شان نبوت کا اظہار نہیں ہوتا میں جب اس حجرہ میں گیا تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا شین پادری تصویر کی طرف ٹکٹکی باندھے مراقبہ میں مصروف تھا۔ مراقبہ سے فارغ ہوچکا تو مُجاور نے اُس کے سر پر تھوڑا سا پانی چھڑکا۔ جسکو اُس نے بڑے ادب وخشوع سے اپنے چہرہ اور ڈاڑھی پر مل لیا۔

حضرت عیسیٰ کی مورت

صلیب دیئے جانے کی جگہ بڑی شان وشوکت کی ہے لیکن اسکو دیکھکر عیسائیوں کی سادہ دلی پر سخت افسوس آتا ہے۔

ایک بلند مستطیل چبوترہ پر جو سرتاپا سنگ مرمر کا ہے صلیب کھڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتیلیوں میں آہنی کیلیں ٹھکی ہیں۔ پاؤں کو اوپر تلے لکڑی پر رکھکر اس طرح میخ ٹھوکدی ہے کہ پاؤں کو توڑ کر لکڑی میں نکل گئی ہے اسی کے قریب ایک طرف حضرت مریم نہایت غمگین کھڑی ہیں۔ حضرت مریم کا مجسمہ یعنی اسٹیچو نہایت شاندار ہے سونے کی مورت ہے اور لباس کے ساتھ بنائی گئی ہے۔ لباس پشواز کے مشابہ ہے۔ اس مقام پر بڑے بڑے رہبان اور قسیسوں کا مجمع تھا۔ (راہبہ عورتیں) بڑے خضوع وخشوع سے صلیب کی طرف ٹکٹکی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تہیں۔ مذہبی خیالات بھی کیا ہی عجیب چیز ہیں۔!!!

علما اور فضلا کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مفتی صاحب

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر ہیں جو مفتی شہر ہیں اور مفتی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں۔ میں نے ان کی تعریف سُنی تھی۔ اس لیئے بیت المقدس پہنچکر سب سے پہلے انہیں کی ملاقات کا قصد کیا۔ جوں ہی میں کمرہ میں داخل ہوا مفتی صاحب اور تمام حاضرین تعظیم کو اُٹھے۔ (یہ طریقہ یہاں عام ہے اور ہر شخص کے لیئے برتا جاتا ہے) مزاج پرسی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ "لعل حضرتکم من العلماء" یعنی غالباً آپ علما میں سے ہیں"۔ میں نے کہا کہ "لا ولکن من طلاب العلم" یعنی "عالم تو نہیں البتہ طالب علم ہوں"۔ وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اور میرے پہنچنے کی وجہ سے اِن کی صحبت برہم ہوگئی تھی۔ جب اُن لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تہذیب اور معقولیت سے کہا کہ "ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپ کے سامنے بھی پیش کیا جائے"۔ انکے خاص الفاظ یہ تھے۔ یا حضرۃ الشیخ قد کنا قبل ذلك فی بحث فلو اجبتم عرضنا علیکم غرض اُنہوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ "قرآن مجید کی اِس آیت میں کہ الم تر کیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد خدا نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا"۔ حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت کی ولادت سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا تھا"۔ میں نے کہا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ الم تر کیف فعل ربك

باصحاب الفیل عرب جاہلیۃ کے اشعار مین بہی یہ اطلاق جابجا موجود ہے ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض کرنا چاہا۔ لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ جواب بالکل صحیح ہے اور اس مین جاے گفتگو نہین۔ مین جب تک بیت المقدس رہا قریبا ہر روز اس پرلطف صحبت مین شریک ہوتا رہا۔

مفتی صاحب تقدس اور شریفانہ اخلاق کی مجسم تصویر ہین اور اسیکا اثر ہے کہ تمام شہر انکی نہایت عزت کرتا ہے۔ انکی تنخواہ کل تین سو قرش ہین۔ یعنی تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ روپے لیکن شہر مین انکا جو اثر ہے وہ حاکم شہر کا بھی نہین۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ پرانے زمانہ کے آدمی ہین اور نہایت مقدس ہین تاہم آزاد خیال ہین اور مذاق حال سے آشنا ہین۔

لطیفہ

لطیفہ ان ممالک مین علما کو عمامہ یا ٹوپی پر ایک سفید دھجی جسکو لفہ کہتے ہین لپیٹنا ضروری امر ہے۔ مین جسدن قمامہ کی سیر کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تہی عمامہ نہ تہا۔ راہ مین جا رہا تہا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تہے دیکھ لیا۔ اور مفتی صاحب کے جلسہ مین اسکا تذکرہ کیا۔ چونکہ وہان کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تہی لوگون مین اسکے چرچے ہوے۔ یہان تک کہ دوسرے دن جب مین مفتی صاحب کے دربار مین گیا تو ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچہا کہ سمعنا ان حضرۃ الشیخ خرج من غیر لفۃ یعنی ہمنے سنا کہ جناب والا عمامہ و لفہ کے بغیر بازار مین نکلے" مین نے کہا" ہان مین عیسائیون کے گرجے مین گیا تہا اور ایسے مقامات کے لیے عالمانہ لباس موزون نہین ہے"۔ سب بول اُٹھے کہ واللہ قد اصبتم

یعنی آپ نے بالکل بجا کیا۔

ایک دن مین بخارا والون کے زاویہ مین گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی دن بخارا کے چند رئیس اور اور معزز لوگ حج سے پہر کر بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ زاویہ نے مجھکو ان لوگون سے ملایا۔ صورت اور وضع سے وہ دولتمند اور محترم اور موقر معلوم ہوتے تھے۔ بعض صاحب علم اور فقیہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ روس کی حکومت مین رہتے ہین۔ مین ان سے روسی گورمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ بہت شکایت کرتے تھے اور زیادہ تر اس بات کے شاکی تھے کہ مسلمان بجبر فوج مین داخل کئے جاتے ہین اور کسی اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہے تو مسلمانونکو اپنے ہی ہم مذہبون سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

بیت المقدس سے روانگی

بیت المقدس سے روانہ ہوکر مین یافہ مین آیا اور وہان سے جہاز مین سوار ہوکر تیسرے دن اسکندریہ پہنچا۔ جہاز کا لنگر کرنا تہا کہ قلیون اور ملاحون کی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ آفت یون تو ہر جگہ ہے لیکن اسکندریہ کو اس خصوصیت مین تمام مقامات پر ترجیح ہے۔ ہزار خرابی کنارہ پر پہنچا۔ وہان قلیون کا ہجوم تہا اور ایک ایک مسافر پر چار چار گرے پڑتے تھے۔ ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اٹھا لیا۔ مجبورًا مین اُسکے ساتھ ہولیا۔ اسکندریہ۔ نہایت قدیم زمانہ کے یادگار ہے اور اس لحاظ سے اسکی سیر ضروری تھی لیکن مجھکو قاہرہ جانے کی جلدی تھی۔ اسلئے مین نے اسیوقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہنچا۔ لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لئے اور میرے پہلو مین بیٹھے۔ میری کیا مجال تھی کہ انکی اس جسارت پر معترض ہو

اسکندریہ

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک شہر کا جو حصہ نظر سے گذرا نہایت آباد اور پُر رونق تھا۔ سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دوکانیں تھیں اسٹیشن پر پہنچکر معلوم ہوا کہ ابھی دو تین گھنٹے کی دیر ہے۔ میں نے کہا لاؤ تب تک اِدھر اُدھر پھر آؤں۔ پاس ہی ایک جامع مسجد ہے وہاں گیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے۔ وضو کرنے کا حوض وسیع اور خوشنما ہے۔ گرد۔ استنجا خانے اور پاخانے ہیں لیکن صفائی کا اسقدر اہتمام ہے کہ بُو اور رائحہ کا نام تک نہیں۔

ریلوے گاڑیوں کی قطع

دس بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بنچوں کے آہنی کرسیاں ہوتی ہیں اور دو دو اس طرح ساتھ جڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے۔ ہر درجہ میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی۔ چار ایک طرف چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ رفع حاجت کا بھی کوئی بندوبست نہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یورپ میں بھی اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں۔ وہ یہ کہ گاڑی ہی میں خوب بچنے والے جو بسکٹ۔ ڈبل روٹی۔ پنیر۔ اور میوے بیچتے ہیں۔ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اِس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت ہو سکتی ہے خوانچہ والا ہر وقت پھرتا رہتا ہے اور تمام گاڑیوں میں چکر لگاتا ہے۔

سید صاحب نے اپنے سفرنامہ میں یہاں کی ریل کے کارخانے۔ سڑک۔ اسٹیشن۔ لالٹینوں۔ غرض ہر ایک چیز کی نسبت۔ بے سلیقگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے۔ اُسوقت شاید یہی حالت ہوگی۔ لیکن اب یہ شکایت نہیں ہو سکتی میں نے اسکندریہ سے قاہرہ اور

قاہرہ سے اسمعیلیہ تک ریل میں سفر کیا۔ میرے نزدیک کوئی چیز قابل اعتراض نہ تھی۔ اس سفر میں جسقدر حصہ مصر کا میری نظر سے گذرا عجب سرسبز و شاداب تھا۔ جہانتک نگاہ جاتی تھی نہایت سرسبز کھیتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکندریہ سے قاہرہ تک جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی میں نے ہندوستان میں پچاس ایکڑ زمین بھی ایسی نہیں دیکھی۔ ریل شام کے قریب قاہرہ پہنچی اور میں نے جامع ازہر کے قریب ایک لوکانده (ہوٹل) میں قیام کیا

قاہرہ پہنچنا اور جامع ازہر میں قیام کرنا۔

بیروت میں عبدالباسط آفندی نے مجکو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہنچکر شیخ عبدالحلیم کے پاس بھجوا دینا۔ شیخ عبدالحلیم۔ عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی ہیں او جامع ازہر میں پڑھتے ہیں۔ میں نے وہ خط اُن کے پاس بھجوا دیا۔ وہ دوسرے دن ہوٹل میں تشریف لائے اور کہا کہ "اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے ہیں اور علما اور شیوخ سے ملنا ہے تو ہوٹل میں ٹہرنا مناسب نہیں۔ یہاں علما اسکو بہت معیوب سمجھتے ہیں"؛ چنانچہ ان کی ہدایت کے موافق میں جامع ازہر میں گیا اور انہوں نے رواق الشامیین میں ایک پُرفضا حجرہ میرے لیئے خالی کرا دیا۔ ایک مہینہ سے زیادہ میں یہاں مقیم رہا۔ شیخ عبدالحلیم۔ قریباً ہروقت میرے پاس...... رہتے تھے اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے تھے۔ وہ میرے رہنما میں معرّف۔ اور اگر گستاخی نہو تو نوکر اور خادم بھی تھے۔ اور نوکر بھی بے تنخواہ۔ بے غرض۔

قاہرہ کا اجمالی حال

قاہرہ کی ابتدائی تاریخ

یہ شہر مصر کا دارالسلطنت ہے بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے۔ جوہر سپہ سالار فاطمین نے ۳۵۸ھ میں اسکو آباد کرایا تھا

اور اُس عہد سے آج تک اسکو روز افزون ترقی ہے۔ موجودہ مردم شماری ۳۰،۳۰،۴۰۰ ہے
سڑکین وسیع اور مکانات عموماً بلند اور خوش فضا ہین۔ مین جب اُسکے وسیع
اور پُر رونق بازارون مین سیر کرتا پہرتا تہا تو بمبئی کا دہوکا ہوتا تہا۔ قہوہ خانے نہایت
کثرت سے ہین اور بڑی تفریح اور آرام کی چیزین ہین۔ لباس اور وضع یہان کی نہایت
بہونڈی اور ناموزون ہے۔ عوام نیلگون لمبا کرتہ پہنتے ہین۔ جسکا چاک کہلا رہتا ہے۔
پاجامہ تہمد وغیرہ بالکل نہین پہنتے۔ خواص قفطان اور عبا پہنتے ہین۔ لیکن چونکہ عبا
مین کالر نہین ہوتا گردن کُہلی رہتی ہے اور بدنما معلوم ہوتی ہے۔ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون کا
استعمال کرتے ہین اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جاتا ہے۔ عورتون کی وضع اور لباس
اسقدر بیہودہ اور بدنما ہے کہ اس سے زیادہ قیاس مین نہین آسکتا۔ عام عورتین تو
وہی نیلگون لمبا کرتہ پہنتی ہین لیکن دولتمند اور نئی فیشن کی بیگمات جنکا لباس بالکل یورپین
ہوتا ہے وہ بہی ایک بدنما نیلگون بُرقع اوڑہکر بیچا۔ یا ہوا بنجاتی ہین۔ برقع مین ناک کی
جڑ سے سینہ تک ایک سیاہ دہجی سونڈ کیطرح لٹکتی رہتی ہے۔ اس دہجی کے
اٹکانیکے لئیے سونے یا پیتل کی ایک گلی ہوتی ہے جو پیشانی پر لٹکتی رہتی ہر اور بجائے
زیور کے استعمال کیجاتی ہے۔

عام آدمیون کے اخلاق مین دنارت زیادہ پائی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز
کی قیمت چکانے مین حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ
دلایا جاتا ہے مرد اور عورت بکثرت بہیک مانگتے ہین اور بلا کی طرح لپٹ جاتے ہین

اہل شہر کی وضع

عام آدمیونکا اخلاق

موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہے کچھ عجیب طرح کی گرمی پڑتی ہے۔ طبیعت ہروقت مضمحل اور سست رہتی ہے اور کسی کام کے کرنے کو جی نہین چاہتا۔ مجھکو خیال تہا کہ مین یہان بہت کام کر سکونگا اور اسی وجہ سے بیروت وبیت المقدس مین کم قیام کیا تہا کہ یہان زیادہ دنون تک رہ سکون۔ لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کردئیے۔ صبح کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تہا باقی تمام دن حجرہ مین بیکار پڑا رہتا تہا۔

مصر

مین

تعلیم کی حالت

ممالک اسلامیہ مین جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کئیے جاتے ہین قسطنطنیہ اور قاہرہ ہین۔ اسی لحاظ سے مین نے ان دونون مقامون کی تعلیمی حالت دریافت کرنے مین بہت کچھ کوشش کی قسطنطنیہ کی طرح یہان بہی سررشتۂ تعلیم کے عہدہ دارون سے ملا۔ سالانہ رپورٹین پڑہین۔ متعدد کالجون کے پروگرام دیکھے۔ بڑے بڑے کالجون مین خود جاکر اساتذہ کا طریق درس دیکہا۔ ان تحقیقات سے جو باتین معلوم ہوئین انکو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہون۔ اس موقع پر کہنا بہی ضرور ہے کہ اگرچہ قسطنطنیہ مین تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہے مصر اور قاہرہ کو اس سے کچھ نسبت نہین تاہم مصر کو اس بات مین ترجیح حاصل ہے کہ یہان سررشتۂ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر شائع ہوتے ہین زیادہ مرتب اور مفصل ہین۔ اور اسیلئے مین قسطنطنیہ کی بہ نسبت یہان کی تعلیمی حالت

زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ لکھ سکونگا۔

قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی تعلیم کے دو طریقے ہیں۔ قدیم و جدید یہ دونوں طریقے بالکل مختلف ہیں۔ اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہنچایا ہے۔ قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی تعلیم کا بگڑا ہوا خاکہ ہے۔ ملک کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی اور چونکہ وہ مذہب کے پیرایہ میں ہے سلطنت کا اثر بھی اُسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑ چکی ہے اور خود گورنمنٹ نے اُسکو خاص اپنے سایۂ عاطفت میں لیا ہے۔ بہت سے لڑکوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے اور فیصدی ۵۱ سے کچھ فیس نہیں لیجاتی۔ تمام بڑے بڑے عہدے صرف نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو ملتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے تاہم وسعت تعلیم کا یہ حال ہے کہ شہر و اطراف کے تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر طالب علموں کی تعداد دس ۱۰۰۰۰ ہزار بھی نہیں ہے۔ حالانکہ قدیم طریقہ پر تعلیم پانیوالے صرف جامع ازہر میں دس ۱۰۰۰۰ ہزار سے زائد ہیں۔ اسقدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم آگے ہے اور قدیم طریقہ کا زور روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلبا کی تعداد جو ہر سال بڑھتی جاتی ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں بورڈروں کی تعداد فیصدی ۴۷ تھی اور ۱۸۸۹ء میں ۵۶ ہو گئی۔ اسی طرح غیر بورڈر ۱۸۸۷ء میں ۷۱ فیصدی تھے اور ۱۸۸۹ء میں ۷۹ ہو گئے۔

کالج اور اسکولوں کی فہرست اور اُسکے مصارف وغیرہ

ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۸ء کی رپورٹ سے مرتب کیا گیا ہے اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل اُن کے سالانہ مصارف۔ طالب علموں کی

تعداد اور دیگر حالات معلوم ہوں گے۔

نام مدرسہ	مصارف سالانہ جون ۱۸۸۹ء سے	تعداد طلبا موجودہ جون ۱۹۰۰ء سے	تعداد طلبا جو فیس نہیں دیتے	تعداد فیس	بابت فیس	مجلدات کتب خانہ	کیفیت
مدرسۃ الطب	۸۴۱۲ پونڈ	۱۸۲	۷۹	سالانہ ۲ پونڈ	۷۴	۲۲	پونڈ کم از کم ۱۵ روپیہ کا ہوتا ہے
مدرسۃ الولادۃ	۸۱۶	۱۱	✣	✣	۱۱	✣	
مہندس خانہ	۴۱۴۰	۳۳	۷	۱۵ پونڈ	۱۲	۱۸	
مدرسۃ الحقوق یعنی قانون کا مدرسہ	۴۱۴۲	۶۲	۲۷	۱۵	۱۵	۱۱	
دار العلوم	۱۵۲۶	۳۱	✣	✣	۱	۳۷	میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو ۴۵ طالب علم تھے
مدرسۃ الترجمہ	۱۴۲۵	۳۰	۳	۶	۲۳	۲	
مدرسۃ الصنایع	۷۸۱۹	۲۷۰	۱۲	۶	۲۶۰	✣	
التوفیقیہ	۶۴۱۸	۲۸۸	داخلیہ ۲۵ خارجیہ ۲۲۱	۲۰ ۱۲	۳۰	۱۵	داخلیہ سے بورڈر خارجیہ سے غیر بورڈر مراد ہیں
التجہیزیہ	۷۷۵۴	۳۳۰	داخلیہ ۵۲ خارجیہ ۹۰	۱۶ ۸	۱۸۵	✣	
مبتدیان	۴۲۸۳	۲۵۸	داخلیہ ۶۹ خارجیہ ۸۱	۱۴ ۶	۱۱۸	✣	
سکندریہ	۱۳۶۸	۲۱۴	۱۰۹	۱	۷۹	✣	
المنصورہ	۱۲۹۳	۱۴۳	۸۰	۱	۷۱	✣	

پرائیویٹ اسکول

ان سرکاری مدرسون کے سوا ۲۰ پرائیویٹ اسکول ہین جنکا طریقۂ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسون کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی سررشتۂ تعلیم کی نگرانی مین ہوتے ہین۔ سنہ ۱۸۸۹ء مین ان اسکولون کا خرچ سالانہ ۲۲۳۳۰ پونڈ تھا جو کم وبیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ طالبعلمون کی تعداد سنہ ۱۸۸۹ء مین ۲۳۶۳ تھی۔

طلبا کی تعداد

مدارس اور طالبعلمون کی تعداد ہر سال ترقی کرتی جاتی ہے چنانچہ سنہ ۱۸۹۱ء مین پرائیویٹ اسکولون کی تعداد ۲۰ سے ۱۲۰ ہوگئی جسمین دس ہزار تیرہ سو طالبعلم تعلیم پاتے ہین۔ اسیطرح اس سنہ مین سرکاری مدارس کے طالبعلمونکی تعداد ۷۳۰۰۔ اور فیس کی آمدنی ڈہائی لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔[۵۱]

---

۵۱ خدیو حال کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہے۔ چنانچہ سنہ حال یعنی سنہ ۱۸۹۲ء کے اُس اجلاس مین جسمین سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تہا۔ خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے صیغہ کے متعلق جو گفتگو کی۔ اُسکے بعض فقرے یہ تہے۔

"سررشتۂ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے۔ چنانچہ مین نے اس سال رقم سابق پر بارہ ہزار پونڈ (قریبًا دو لاکھ رُپیے) کا اضافہ منظور کیا۔ تعلیم کی طرف لوگون کا میلان روز بروز بڑہتا جاتا ہے۔ اس سال بہ نسبت اور سالون کے پندرہ سو لڑکے۔ کالجون اور اسکولون مین زیادہ داخل ہوئے۔

"صنعت کے جو مدرسے بند ہوگئے تہے مین نے دوبارہ اُنکے جاری ہونے کا حکم دیا۔

علی پاشا کی وہ یادداشت جسمین اُنہون نے پانسو ابتدائی مکتبون کا دیہات وقصبات مین کہولا جانا تجویز کیا تہا۔ مین نے اسکی طرف توجہ مائل کی ہے اور مین اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہون۔

بہرحال آپ لوگ تعلیم کی طرف سے مطمئن رہئیے۔ مین اس صیغہ کو بہت قوت دونگا۔"

مصر کی اصطلاح مین تعلیم کے تین درجے قرار دیئے گئے ہین۔

ابتدائی۱ – اسمین چار صفین ہین اور اُسکی کل خواندگی ہمارے ہان کے مڈل کلاس کی برابر ہے۔

تجہیزی۲ ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اسمین پانچ کلاسین ہین اور اُسکی خواندگی ہمارے ہان کے اِنٹرنس کی برابر ہے۔

خصوصی۳ – یعنی لا کلاس اور دار العلوم وغیرہ۔

مدارس تجہیزیہ مین فرنچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ۱۸۸۹ء سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ اِن مدرسون مین۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ علوم طبیعیہ۔ لازمی طور پر فرنچ یا انگریزی زبان مین پڑہائے جائین۔ اِن زبانون کی ترقی کے لیئے سررشتۂ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ انکی تعلیم صرف یورپین پروفیسرون کے ذریعے سے دلائی جائے۔ اِس سے پہلے چونکہ فرنچ کا اثر زیادہ تہا اسلیئے فرنچ پڑہنے والے طلبا کی تعداد زیادہ تہی چنانچہ ۱۸۸۹ء مین انکی تعداد ۲۵۰۰ تھی اور انگریزی خوان صرف ۔۔ ۔۔ تھے لیکن اب انگریزی خوانون کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرنچ پڑہنے والون کی تعداد قریبًا وہی ہے جو ۱۸۸۹ء مین تہی۔

اَب ہم بڑے بڑے کالجون اور بعض اسکولون کا ذکر کسیقدر تفصیل کے ساتہ کرتے ہین۔

دار العلوم

مصر اور نہ صرف مصر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ مین جو کالج مجہکو سب سے زیادہ پسند آیا

اور جسکو میں نے مسلمانوں کے درد کے لیئے کافی سمجھا وہ یہی کالج ہے۔ میرا ہمیشہ یہ خیال ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اُسپر قائم ہوں کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبہ تک پہنچ جائیں لیکن جب تک اُن میں مشرقی تعلیم کا عنصر نہوں کی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔ بے شبہ مشرقی تعلیم کی جو موجودہ اسکیم ہے وہ نہایت ابتر اور غیر ضروری ہی لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں اور جس تعلیم میں اُس روحانیت کا مطلق اثر نہو وہ مسلمانوں کے مذہب۔ قومیت۔ تاریخ۔ کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی۔

جس مصیبت کا ہندوستان میں رونا ہے وہی قسطنطنیہ۔ بیروت۔ اور مصر میں بھی موجود ہے۔ یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے۔ اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دے سکے۔ صرف ایک یہ دار العلوم ہے جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا۔ اِس کالج کا اول جسکو خیال آیا وہ علی پاشا مبارک مصر کا ایک مشہور روشنفیر ہے۔ اس نے خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہے اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے۔ وہ کئی دفعہ مصر کی سررشتہ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے۔ اُس کی تاریخی تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور درحقیقت نہایت مفید ہیں۔ اُس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی لیکن ازہر کے شیوخ راضی نہوئے۔ غالباً اُس کے بعد اُس نے اس کالج کی بنیاد ڈالی۔

اوّل اوّل اس کالج کا ظاہری مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اس کے تعلیم یافتہ۔ مدارس سرکاری کی مدرسی کے لیے انتخاب کیے جائیں لیکن ۱۹۰۹ء میں گورنمنٹ کی اجازت سے مطابق سررشتہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اس کے سند یافتہ جج اور قاضی و مفتی۔ متقرر ہو سکیں اس کے ساتھ کورس میں اور متعدد علوم اضافہ کیے گئے اور ایک کمیٹی نے جس کا پریسیڈنٹ جامع ازہر کا شیخ الشیوخ تھا اس کے کورس کے لیے کتابیں منتخب کیں۔

اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے کہ طالب علم مشرقی علوم میں سے نحو صرف۔ فقہ۔ اُصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث میں مناسب استعداد رکھتا ہو۔

تعلیم کی کل مدت چار برس ہے اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جس طرح ہر ہفتہ میں ان کے درس مقرر کیے گئے ہیں اُن کی تفصیل نقشۂ ذیل سے معلوم ہوگی۔

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
فقہ	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق
تفسیر	÷	÷	۲	۲
تاریخ طبیعی	۲	۲	÷	÷
علوم بلاغت	۲	۲	÷	÷
اُصول فقہ	÷	÷	۲	۲
حکمۃ عملیہ	۱	÷	÷	÷
جبر و مقابلہ و حساب	۴	۴	۴	۴

علوم جو پڑہائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتہا سال
جغرافیہ	ہفتہ میں ۲ سبق	ہفتہ میں ۲ سبق	ہفتہ میں ۲ سبق	ہفتہ میں ۲ سبق
تاریخ عمومی	۱	۱	۱	۱
فن انشاء عربی	۳	۳	۴	۴
مختلف خطوط	۴	۴	۴	۴
تصویر کشی	۱	۱	+	+
ادبیات لغت عربیہ	+	+	۳	۳
قسمو عنرافی	+	+	۱	۱
طبیعات وکیمیا	+	+	۲	۲
حدیث۔ کلام۔ منطق	+	۲	۱	+
نحو صرف۔ رسم خط۔ عروض۔ قوافی	۳	۲	+	+

چونکہ اس کالج میں وہی طلبا داخل ہو سکتے ہیں جو علوم عربیہ اور فقہ وحدیث سے واقف ہوں اور اس قسم کے طلبا وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقہ پر تعلیم پائی ہے۔ اس لیئے کالج میں طالب علموں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگرچہ سررشتہ تعلیم نے اسی لحاظ سے اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اس کے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے ایک وقت کا کہانا بہی کالج ہی سے ملتا ہے۔ طالب علموں کے لیئے جو لباس مقرر کیا گیا ہی وہ بہی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے۔ جو لوگ یہاں سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں اچہے اچہے عہدے پر

ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن جن لوگوں کو پرانی تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھولیا تمام عمر کے لیئے ان کو علوم جدیدہ سے وحشت ہوجاتی ہے۔ حالانکہ یہ علوم عربی ہی زبان میں تعلیم دیئے جاتے ہیں۔ میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو اس میں ۹۴۵ طالب علم تھے جن میں سے اکثر جامع ازہر کے تعلیم یافتہ تھے۔

طریقہ معاشس

درس کا طریقہ بھی بیان خاص ہے۔ اُستاد یا شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی۔ اُستاد زبانی لکچر دیتا ہے اور اس وسعت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل پر نقش ہوجاتی ہے۔ اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اسکی پروفیسری کے لیئے انتخاب کیئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر ادب۔ شیخ حسن الطویل معلم الحدیث ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ طبعی یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں اور انکی تصنیفیں نہایت قدر کے قابل خیال کی جاتی ہیں۔ مصر میں آج جو لوگ عربی کے نامور انشا پرداز ہیں اکثر اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہے وہ کوئی خاص کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہے۔ بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصے جنکو فن ادب کی جان کہنا چاہیئے۔ اسی طرح تفسیر میں صرف اُن آیتوں کا درس ہوتا ہے جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام۔ زیادہ مہتم بالشان ہیں چنانچہ سنہ ۱۸۹۰ء میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اُس میں ان تمام مقامات کی تفصیل کردی گئی ہے۔ اور وہ سرکاری مطبع میں چھپکر شایع ہوگیا ہے۔

ادب اور فقہ کے درس میں میں خود بھی شریک ہوا تھا۔ دونوں پروفیسروں نے

جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اُب تک میرے دل میں نقش ہے کاش ہمارے ہاں کے علما بھی اس طریقہ کی تقلید کریں۔ طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر ہوگا کہ جس وقت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے احمد بک تعلیم نے جو کالج کے سکرٹری ہیں ایک طالب العلم کو جسکا نام احمد توصی تھا بلایا اور اُس سے کہا کہ قلم دوات لیکر بیٹھ جاؤ۔ اور اسی وقت انکی شان میں (میری طرف اشارہ کر کے) کچھ اشعار لکھو۔ وہ سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور یہ اشعار لکھکر سنائے۔

محمد انت شبلی المعالی لقد فقت الورى وعلوت قدرا
وقد اوليتنا شرفا وفضلا بتشريف زيارة ارض مصرا
فلا زلنا نزاك بكل انس تزيد تفضلا و نزيد شكرا

اگرچہ شبلی المعالی کی ترکیب بے جوڑ ہے اور دوسرے شعر میں اقوا ہے تاہم خوبی زبان و برجستگی ادا کے لحاظ سے میں نے بہت داد دی۔

مدرسۃ الحقوق

داخلہ کی شرائط

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں کے سند یافتہ سول عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶ برس سے زیادہ ہو۔ تجہیزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو۔ چال چلن اچھا ہو۔ بچپن میں چیچک کا ٹیکا لگوا چکا ہو۔ تندرستی اچھی ہو۔ داخلہ کے وقت ایک خاص امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے۔ تحریر میں فرنچ اور عربی کی زبانداں کے متعلق سوالات ہوتے ہیں

اور تقریر میں ان کے علاوہ تاریخ وجغرافیہ بہی داخل ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اُسکو اپنے باپ یا کسی مربی کا ایک خط پیش کرنا ہوتا ہے جس کے یہ الفاظ ہوتے ہیں "کالج کے خارج اوقات میں میں اس لڑکے کے چال چلن کا ذمہ دار ہوں"۔ ان تمام باتوں کے بعد ۵ پونڈ یعنی کم وبیش دو سو روپے بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں اور اُس وقت طالب علم کالج میں داخل کرلیا جاتا ہے۔ تعلیم کی مدت چار برس ہے اور مضامین جو تعلیم میں داخل ہیں حسب ذیل ہیں۔

مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے

سال اول۔ عربی۔ فرنچ۔ ترجمہ۔ مسک دفاتر (یعنی املاو تحریر) شریعت اسلامیہ قانون قضاو عدالت۔ عام قانون اور پالٹکس کے اُصول عام۔

سال دوم۔ علاوہ مضامین بالا کے رومن لا۔ قانون فوجداری۔

سال سوم۔ ایضاً۔ " پولٹیکل اکونمی۔ تعزیرات۔ مرافعات۔ مدنیہ وتجارت

سال چہارم۔ شریعت اسلامیہ۔ پولٹیکل اکونمی۔ مرافعات۔ قانون تجارت۔ قانون عدالت خاص سلطنت کا قانون۔

ہر سال مختلف مضامین میں امتحان لئے جاتے ہیں اور یہ تمام امتحانات اور اخیر امتحان فرنچ زبان میں ہوتا ہے۔ صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں ہوتا ہے طالب علموں کو جب کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہوجاتی ہے تو ہائیکورٹ اور دوسری عدالتوں میں کارروائی سے واقف ہونے کے لیئے بہیجے جاتے ہیں۔ اور حکم ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ لکہیں۔ خود کالج میں بہی عدالت کی مسلیں منگوائی جاتی ہیں اور طالب علموں

سے اُن کے متعلق تحریر دعویٰ۔ بیانات تحریری۔ ادائے شہادت۔ سوالات جرح۔ اور فیصلہ مقدمہ کی مشق کرائی جاتی ہے۔ میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کا سکرٹری ایک فرنچ ہے وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے لیکن اُسکا نائب ایک نوجوان مسلمان ہے جو نہایت لائق شخص ہے اور متعدد زبانیں جانتا ہے۔ وہ کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرنچ زبان میں نہایت برجستگی سے لیکچر دیسکتا ہے۔ مجکو اپنے کلاس میں لے گیا اور کہا کہ آج فرنچ میں لیکچر دینے کا دن تھا۔ لیکن میں تمہاری خاطر سے عربی میں لکچر دونگا۔ چنانچہ تعزیرات کے اُصول پر کہڑے ہوکر لیکچر دیا اور نہایت فصاحت اور وسعت سے تقریر کی۔ تمام کلاسوں میں جس قدر لڑکے تھے پاکیزہ صورت اور پاکیزہ لباس تھے اور اُن کے چہروں سے متانت اور وقار ٹپکتا تھا۔

مدرستہ الترجمتہ

مصر میں چونکہ فرنچ اور انگریزوں کا بہت اثر ہے اور تمام بڑے بڑے ملکی عہدے انہیں دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں۔ مصریوں کو اُن کے ساتھ تعلق رکھنے اور اُن کی ماتحتی میں کام کرنے کے لیئے فرنچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اس کالج کے قائم کرنے کی اصلی غرض اسی قدر تھی اور اسی وجہ سے ابتدا میں وہ زباندانی کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی اسکول کہا جا سکتا تھا۔ لیکن ۱۸۸۶ء میں اُسکی اسکیم بہت وسیع کر دی گئی اور چار پروفیسر اور بڑہائے گئے۔ جن میں ایک فرنچ ہے۔ عربی۔ ترکی۔ فرنچ۔ انگریزی۔ زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی تعلیم بھی ضروری قرار دی گئی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ حساب۔ ہندسہ۔ جبر

علوم طبیعہ۔ کیمیا۔ فقہ۔ توحید۔ یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فرنچ میں پڑہائے جاتے ہیں۔ اور بعض مضامین انگریزی زبان میں بہی۔ اس کالج نے جس طرح مصر کو ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے فائدہ پہنچایا ہے علمی ترقی کے لیئے بہی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ مصر کی علمی زبان اب تک عربی ہے۔ اور غالباً ہمیشہ رہیگی۔ کالجوں میں جو کتابیں پڑہائی جاتی ہیں عموماً فرنچ سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ فرانس میں ڈاکٹری وغیرہ کی جونئی عمدہ تصنیف شائع ہو فوراً ترجمہ کرلیجائے۔ اور کالجوں کے کورس میں داخل کیجائے۔ چنانچہ اسوقت تک سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں ان تمام ضرورتوں کو اسی کالج نے پورا کیا ہے۔

مدرسۃ الطب

یہ بہت بڑا کالج ہے اور اُسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ کالج کی عمارت نہایت وسیع ہے اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لیئے کثرت سے جداگانہ بڑے بڑے کمرے مخصوص ہیں۔ تشریح کے لیئے جو کمرہ ہے وہ نہایت وسیع ہے اور اس میں ہر وقت بہت سی لاشیں موجود رہتی ہیں جن پر تشریح کے تجربے عمل میں آتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں میکروجرانی کی تعلیم کے لیئے ان کے متعلق جداگانہ کارخانہ کہولا گیا۔ علم الحیوانات کی تعلیم ایک وسیع مکان میں ہوتی ہے جس میں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہے جو علم نباتات کی غرض سے طیار کیا گیا ہے اور اُس میں سیکڑوں مختلف اقسام کے نباتات ہیں۔ جن کی پرداخت نہایت اہتمام و نگرانی سے کیجاتی ہے۔

علم الحیوانات و نباتات ۱۲

علم الکیمیا بھی اس کی تعلیم کا ضروری جزو ہے۔ ۱۸۸۵ء تک اس کی تعلیم صرف نظری طریقہ پرہوتی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں عملی تجربوں کے لیئے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے کمرے اور اضافہ کیئے گئے اور ۱۸۸۹ء میں گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربہ کے لیئے ضروری تھیں اُس میں مہیا کی گئیں۔ ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پاکر نکلتا ہے جن میں سے بعض تکمیل تعلیم کے لیئے یورپ بھیجے جاتے ہیں۔

یورپ کی طبی کتابوں کا ترجمہ

تمام کتابیں جو اس کالج کی نصاب تعلیم میں داخل ہیں عربی زبان میں ہیں اور فرنچ وغیرہ سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ چونکہ یورپ میں ہمیشہ اور علوم وفنون کی طرح علم طب بھی روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے اور ہر سال اُس کے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیئے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب فرنچ وغیرہ میں شائع ہو اُسی وقت عربی زبان میں ترجمہ کرلیجائے۔ اور اس کالج کے کورس میں داخل کیجائے۔ اس طریقہ سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ طیار ہو گیا ہے جس کی تعداد کتب خانہ خدیو کی فہرست سے معلوم ہو سکتی ہے مصر کے علمانے بہت سی کتابیں اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں۔ اور یونانی و موجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہے۔ کاش ہمارے ملک کے اطبا جو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے یورپ کی تحقیقات سے محروم ہیں۔ ان جدید تصنیفات کو بہم پہنچاتے اور اُنسے مستفید ہوتے۔ لیکن ہماری قوم میں یہ ہمت کہاں! ۔ حالانکہ سچ پوچھئے تو یہ کچھ ہمت کی بات بھی نہیں۔

اس کالج میں کل ۱۵ پروفیسر ہیں جن میں سے تین یورپین۔ اور باقی مصری ہیں۔

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجنیری۔ صناعی۔ وغیرہ کے ہیں اور ترقی کیحالت میں ہیں۔ انجنیرنگ کالج میں جو علوم وفنون پڑہائے جاتے ہیں اور اُس کے داخلہ وامتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالہ میں چھاپے گئے ہیں۔ جس کے صفحوں کی تعداد ۱۵ ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھ سے شکایت کی کہ موجودہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت نقصان پہنچایا ہے اس کے قبل یہاں کا کورس وہی تہا جو فرانس کے انجنیرنگ کالج کا ہے اور اسی غرض سے تمام مضامین فرنچ زبان میں پڑہائے جاتے تھے لیکن حال کے ڈائرکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑہائے جائیں۔ اور ہندوستان کے رڑکی کالج کی تقلید کی جائے۔ پرنسپل صاحب کہتے تھے کہ "رڑکی کی مستعملہ کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے اُنکو دیکہا۔ وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمکو اُس کی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

انجنیرنگ کالج

مدرستہ الصنائع جس میں صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ نہایت ترقی کی حالت میں ہے۔ نجاری۔ حدادی۔ وغیرہ صنعتیں جو سکہائی جاتی ہیں علمی طریقے سے سکہائی جاتی ہیں۔ اور اس بنا پر کوئی طالب علم جبتک تعلیم ابتدائی (جو مڈل کے برابر ہے) حاصل نہ کرچکا ہو اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ عربی و

صنعت کا مدرسہ

فرنچ وانگریزی زبانوں کے علاوہ - علوم ریاضیہ مشین - کیمیا - طبیعات - کے ابتدائی حصے بھی پڑہائے جاتے ہیں - ہر روز تین گھنٹے ان نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے - اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں کی عملی مشق کرائی جاتی ہے - سررشتہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسہ کو نہایت ترقی ہے - اور جو چیزیں وہاں طیار کیجاتی ہیں تعجب انگیز ہیں -

عام مدارس

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں - مدارس تجہیزیہ دو ہیں - توفیقیہ - تجہیزیہ - توفیقیہ - کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے - اور قریباً چار سو طلبا اس میں تعلیم پاتے ہیں - اسمیں ابتدائی صفیں بھی شامل ہیں - اس مدرسہ کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے - خدیو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع مکان جسکا نام قصر النزہتہ ہے - مدرسہ کو عنایت کیا اور چونکہ اس کی وضع تعلیمی اغراض کے مناسب نہ تھی پچاس ہزار روپیہ اس غرض سکے لیئے اور عنایت کیئے کہ حسب ضرورت اس میں ترمیم واصلاح کیجائے - چنانچہ سکرٹری مدرسہ کی ہدایت کے مطابق اُس کی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا - چونکہ مدرسہ میں تعلیم کے تین درجے تھے - قسم خاص - ابتدائی - تجہیزی - ان تینوں کے لیئے جداگانہ عمارتیں تعمیر ہوئیں - اور ۲۵۰ طالب علموں کے لیئے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے - مدرسہ کے متعلق دو بڑے بڑے کمرے تصویرکشی اور کیمسٹری کی مشق کے لیئے ہیں اور نہایت خوشنما ہیں

مدرسہ تجہیزیہ

تجہیزیہ - اس کا سالانہ خرچ کم وبیش دو لاکھ ہے اور چار سو لڑکے اس میں تعلیم پاتے ہیں بورڈروں سے ۲۵ پونڈ یعنے ساڑھے چار سو رُپے سالانہ فیس لیجاتی ہے - بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علموں کے لیئے الگ الگ کمرے ہیں لیکن تمام لڑکے نہایت

سلیقہ اور صفائی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں جسوقت اس مدرسہ میں گیا کھانے کا وقت تھا۔ سکرٹری مدرسہ نے جسکا نام احمد بک نظیم ہے مجھ سے کہا کہ پہلے کھانے کے کمرے کی سیر کیجیے کمرہ نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ اور دو تین میزیں اور کثرت سے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کھانے کا طریقہ اگرچہ قسطنطنیہ اور شام کے موافق تھا یعنی چار چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی۔ چھری کانٹے بالکل نہ تھے تاہم مجکو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے کہ ان کے ہاتھ مطلق نہیں بھرتے تھے۔ نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ تھا آپس میں بات چیت کرتے تھے لیکن شور و غل کا کیا ذکر ہے۔ گونج تک نہ تھی دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالب علموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اور ہر ہفتہ میں کھانا کھانے کی تہذیب و شائستگی پر لکچر دیا جاتا ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے والے

طلبا جو یورپ میں تعلیم پاتے ہیں۔

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کی طرف سے چند طالب علم تکمیل تعلیم کے لیئے یورپ بھیجے جاتے تھے یہ تعداد اس مناسبت سے ہوتی تھی کہ ہمیشہ تیس ۳۰ طالب علم یورپ میں موجود رہتے تھے سفر اور وہاں کے قیام کا۔ تمام صرف گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کئے لیکن بدقسمتی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ جو لوگ تعلیم پا کر آئے انمیں (ہمارے ہندوستان کی طرح) بہت کم ایسے نکلے جو کسی فن میں کامل ہوں یا اُن کی ذات سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکے خیر۔ سر رشتہ تعلیم کے افسر نے اسپر توجہ کی اور

غور و تحقیق کے بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کیے، جن میں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے انتخاب میں غلطی ہوتی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے۔ اور چونکہ ابتدائی تعلیم و تربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ یورپ کی تعلیم و تربیت کا اثر ان پر بہت کم پڑتا تھا۔ اُسوقت سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آیندہ سے جو لڑکے بھیجے جائیں اُن کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہو اس میں ایک یہ مشکل تھی کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیئے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ چند علما طالب علموں کے ساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب کی تعلیم دیتے رہیں۔ یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوا اور چونکہ ملک نے ان طالبعلموں کی عمدہ مثالیں دیکھیں لوگ اپنی اولاد کو اپنے صرف سے بھیجنے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۸ء میں جس قدر لڑکے یورپ میں تعلیم پاتے تھے اُن میں ۲۵ گورنمنٹ کی طرف سے اور ۵۲ خود اپنے صرف سے تعلیم پاتے تھے۔ ۱۸۸۸ء میں جس قدر طالب علم یورپ میں موجود تھے اور جن علوم میں ان کی تعلیم ہوتی تھی اُن کی تفصیل یہ ہے۔

حکومت کے صرف سے	اپنے خاص صرف سے	جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے
۵	۱۷	بیرسٹری
۴	۱۲	ڈاکٹری
۱	*	امور مالیہ
۳	*	معلمی یا پروفیسری
*	۲	زراعت

جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے	اپنے خاص صرف سے	حکومت کے صرف سے
بیرسٹری کے لیے طیاری	۴	۱
ٹیکنیکل کالج کے لیئے طیاری	۱	۴

ان میں سے ۱۲ طالب علموں نے جو سلطنت کی طرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلی درجہ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک انیس رشدی طپوزادہ تہا جسکو بیرسٹری میں ڈاکٹری کی سند ملی۔ ایک لڑکا جسکا نام اسمعیل آفندی تہا اور فرانس کے کلج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تہا۔ طبیعات کے امتحان میں تمام کلج میں اسکا دسواں نمبر رہا۔ حالانکہ کل اُمیدوار جو امتحان میں شریک تہے ۱۵۲ تہے اور سب فرانس کے رہنے والے تہے۔ ایک اور لڑکا جسکا نام عبداللہ تہا اس نے پولٹیکل اکانمی میں سب سے اول درجہ کا انعام حاصل کیا۔ ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم انگلستان۔ اٹلی۔ جرمن میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کلوں کے بنانیکا کام سیکھتے ہیں اور ان سب کا صرف گورنمنٹ مصر ادا کرتی ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۹۱ء کی رپورٹ میں ڈائرکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے اس میں اہل ملک سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکہیں گے تو یورپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مدت دراز کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ افسوس تعلیم نہایت کم عمر کے لڑکے نہیں بھیجنے چاہئیں جو ابتدا سے لیکر انتہا تک یورپ ہی میں تعلیم پائیں۔ اگر بڑی عمر کے ہوں تو ضرور ہے کہ یورپ جانے سے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں۔ ہمارے ہندوستانمیں

بھی یہ عام شکایت ہے کہ یورپ کی تعلیم میں جو مصارف کثیر برداشت کیے جاتے ہیں ان کا کافی صلہ نہیں ملتا۔ یہ شکایت بالکل سچ ہے اور غالباً اسکی وہی وجہ ہے جو مصر کے ڈائرکٹر تعلیم نے بیان کی۔

قدیم تعلیم و جامع ازہر

جامع ازہر کی ابتدائی تاریخ

یہاں کی قدیم تعلیم۔ دوسرے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے۔ اس لیئے قدیم تعلیم کی کیفیت بیان کرنے کے لیے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کُل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے یہ ایک جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے۔ فاطمیین مصر میں سے خلیفہ المعز لدین اللہ کے ایک غلام نے جو سسلی کا رہنے والا تھا اور اپنی قابلیت خدا داد سے دولت فاطمیہ کا دست و بازو بن گیا تھا ۳۵۹ھ ہجری میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ ہجری میں انجام کو پہنچی۔ ۳۷۸ھ ہجری میں خلیفہ عزیز باللہ نے مسجد سے متصل طالب علموں کے لیئے کچھ مکانات بنوائے اور ۳۵ طالب علموں کے لیئے وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ۴۰۰ھ ہجری میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی اور اس کے مصارف کے لیئے ۱۶۷ دینار منافع سالانہ کی جائداد وقف کی۔ ۷۶۱ھ ہجری میں امیر طواشی نے یتیموں کے لیئے ایک خاص مکتب قائم کیا اور اس کے ساتھ عام طلبا مسجد کے لیئے بہت سی جائدادیں وقف

گیں۔ رفتہ رفتہ بہت بڑا دار العلم بنگیا یہاں تک کہ ۱۳۱۸ھ ہجری میں اس کے طالب علموں کی تعداد ۰۰۰، ۱۰ سے متجاوز تھی جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے اشخاص تھے اور آج تو یہ حالت ہے کہ کثرت طلبا کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی کم وبیش چار یا پانچ ہزار طالب علم خود مسجد میں سکونت رکھتے ہیں۔ بہت سی پاس پاس کی مسجدوں میں رہتے ہیں لیکن کھانا یہیں سے ملتا ہے۔ غرض ہر قسم کے طلبا کی تعداد جنکو جامع ازہر سے تعلق ہے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر ملک کے طالب علموں کے لیئے الگ الگ بالاخانے ہیں جن کو یہاں **رواق** کہتے ہیں۔ بہت سے طالب العلم بلکہ کثرت سے ایسے ہیں جن کے لیئے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں مسجد کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی الماریاں اور پرتلے چنی ہیں۔ یہی ان کے توشے خانے ہیں جنمیں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں۔ سونے بیٹھنے کے لیئے مسجد کا تمام صحن پڑا ہوا ہے۔ اول اول جب میں اس مسجد کی زیارت کے لیئے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی۔ اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالب علم ہی طالب علم نظر آتے تھے۔ جا بجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ایک ایک کے گرد تیس تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا۔ یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھے اور چونکہ پاس پاس تھے اس لیئے اسقدر شور وغل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجکو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہے اور اسوجہ سے کثرت سے طلبا جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن دو چار روز رہکر یہ معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہے مجکو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمیعت خاطر ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب العلم کے

طالب علموں کی تعداد

طالب علموں کے رہنے کا طریقہ

کان تک پہنچتی ہے یا نہیں۔

جن جن ملکوں مثلاً شام۔مغرب۔جزیرہ۔عراق۔بخارا۔خراسان۔افغانستان۔ہندوستان وغیرہ کے طالب العلموں کے لیئے رُواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے ذریعہ سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں جو ان طلبا کو جیب خرچ کے طور پر دیجاتی ہے معمولی کھانا خود از ہر سے ملتا ہے لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی ہیں اس لیئے سالن کا اہتمام اُنکو خود کرنا پڑتا ہے۔بہت سے طلبا جنکو چار چار پانچ پانچ روٹیاں ملتی ہیں۔نان بائی کو دو دو تین روٹیاں دیکر اس کے بدلے سالن لے لیتے ہیں اور اس طرح ان کے جیب خرچ پر چنداں بار نہیں پڑتا۔روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ وقت معین پر طلبا کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دو ردیہ صف باندہ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں۔ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک قائم رہتا ہی۔طالب علموں کی ہاتھوں میں کوئی تولیہ یا رومال نہیں ہوتا جس طرح بھیک منگے جو کچھ ملتا ہے ہاتھ پھیلا کر لے لیتے ہیں ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے

خوراک

مُدرّسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔مدرس اوّل جو شیخ ازہر کہلاتا ہی اور جس کی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ خود حکومت اُسکا ادب کرتی ہے۔اس مدرسہ کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ رُوپے سالانہ سے کم نہیں ہے ۱۸۹۴ء میں علاوہ اس رقم کے سررشتہ تعلیم سے دو لاکھہ سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی۔

تعداد مدرسین

طلباء کے اخلاق

مجھکو اپنے تمام سفر مین جسقدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہین ہوا۔ ایک ایسا دارالعلوم جسمین دنیا کے ہر حصّہ کے مسلمان جمع ہون جسکا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہو جسکے طالب علمون کی تعداد بارہ ہزار سے تجاوز ہو اسکی تعلیم و تربیت سے کیا کچھ امید نہین ہوسکتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بجاے فائدہ پہنچانے کے لاکھون مسلمانون کو برباد کرچکا ہے اور کرتا جاتا ہے۔ تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے اور جسکا مین ابھی ذکر کرچکا ہون اُس سے حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ جوش۔ ہمت غرض تمام شریفانہ اوصاف کا استیصال ہوجاتا ہے۔ مین نے یہان ایسے طلبا دیکھے ہین جنکے عزیز اور نہایت قریب عزیز (چچا ماموں وغیرہ) خود اسی شہر مین بڑے بڑے معزز عہدون پر ہین اور انکی تمام ضروریات کے متکفل بھی ہین۔ تاہم چونکہ یہ طلبا ازہر مین رہتے ہین اس لیے انکو عام بازارین ہاتھ پھیلا کر روٹیان لینے مین ذرا شرم نہین آتی۔ طالب علمون کی دنائت اور پست حوصلگی کا یہ حال ہے کہ بازار مین پیسہ کی ترکاری خریدتے ہین تو کنجڑے کو قسم دلاتے جاتے ہین کہ براس سیدنا الحسینؑ یعنی تجھکو امام حسینؑ کے سر کی قسم واجبی قیمت بتانا!۔ کیا اِس قسم کے تربیت یافتہ لوگون سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت و شان بڑھائین گے؟۔ ہمارے ملک مین اِس قسم کے جو مدرسے ہین ازہر اُن سے بھی گیا گزرا ہے۔

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابتری کا ہے۔

یہان مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ۔

اس کے دشمن بن گئے اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلبا پر منحصر نہیں بلکہ تمام ملک اسکو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے اس لئے پاشائے موصوف کو اغماض کرنا پڑا۔ ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے اور خود سلطنت اس کی مخالفت پر آسانی جرأت نہیں کرسکتی۔

کتب خانہ خدیویہ

یہ نہایت عالیشان کتب خانہ ہے۔ اور ترتیب و خوش اسلوبی۔ زیب و زینت حسن انتظام۔ خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے۔ عمارت نہایت شاندار و وسیع ہے اور مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ سیر و مطالعہ کے لئے مخصوص ہے۔ اسمیں تین بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ایک کمرہ میں بہت بڑی لمبی میز ہے جسپر رجسٹر اور فہرست کی جلدیں چنی ہیں۔ ایک کمرہ مطالعہ۔ اور ایک نقل و کتابت کے لئے خاص ہے جو شخص کوئی کتاب لینی چاہے افسر کتب خانہ اسکو ایک چھپا ہوا کارڈ دیتا ہے۔ کارڈ میں مفصلہ ذیل عنوان ہوتے ہیں۔ کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت و پیشہ۔ ضامن کا نام (اجنبی شخص کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں ملسکتی) کتاب کا نام اور فن اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لئے لیتا ہے یا نقل کے لئے۔ تعداد ایام۔ یہ کارڈ خانہ پُری کر کے ملازم کتب خانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ۔ یا نقل کرنے کے کمرہ میں آجاتی ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے لیکن دقت سے خالی نہیں۔

کتاب کے لینے ک[ا]
متعارف طریقہ

کتابیں جہاں رکھی ہیں۔ وہ بالکل جداگانہ قطعہ ہے جس میں متعدد کمرے ہیں۔ ایک کمرہ

ونحو کی تعلیم ہوتی ہے اور دونوں کیلئے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں۔ اُصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث۔ ادب۔ معانی۔ بیان۔ کی تعلیم ہے لیکن اسقدر کم ہے کہ اتنے بڑے دارالعلم کے کسی طرح شایاں نہیں۔ نحو اور فقہ جسپر ایک عمر صرف کیجاتی ہے ان کی تعلیم بھی محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی۔ کافیہ وغیرہ کی شرحیں۔ شرحوں کے حواشی اور حواشی کے حواشی پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ شیخ صبان حال میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی ایک شرح ہے۔ اس شرح کو اس قدر مہتم بالشان سمجھا گیا ہے کہ اس کی شرحیں اور شرحوں کے حاشیے درس میں داخل ہیں۔ اور اس تمام سلسلہ کا ضبط وحفظ کرنا بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے چونکہ میں نے خود ازہر میں قیام کیا تھا۔ اکثر طلباء سے صحبت رہتی تھی میں انکو نہایت معمولی ناقابل التفات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا۔ اور افسوس کرتا تھا۔ اسی طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا۔ میں نے طلباء سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو اُستاد الکل خیال کئے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی تصنیف بھی ہے اُنہوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہاں صبان پر بڑے معرکے کے حاشیہ لکھے ہیں۔

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اُصول پر نہیں ہے نہ صف بندی ہے نہ کوئی خاص نصاب ہے۔ نہ امتحان ہوتا ہے نہ ترقی پانے کے لیئے کوئی قاعدہ مقرر ہے افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابتریوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں۔ علی پاشا مبارک نے جو ایک زمانے میں سررشتہ تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی اسپر ازہر کے تمام علما

جونہایت وسیع ہے اسمین نہایت پرتکلف ٹرکی قالین بچھا ہے۔ چارون طرف دیوار سے ملی ہوئی آئینہ دار الماریان ہین بیچ مین آئینہ دار میزین ہین جنکے اندر قلمی اور نایاب کتابین کھلی ہوئی رکھی ہین۔ انمین ایک **قرآن** ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ **امام جعفر صادق** کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسکے سوا قرآن مجید کے اور نادر نسخے ہین جو سلاطین مصر نے آٹھوین اور نوین صدی مین وقف کیئے تھے۔

کتب خانہ کی تاریخ۔

یہ کتب خانہ سنہ ۱۲۸۶ھ مین قائم ہوا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ و اسکندریہ وغیرہ مین اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ انکی حفاظت کا کافی انتظام نہ تھا۔ کتابین ابتر اور ضائع ہوتی جاتی تہین۔ اس لحاظ سے **علی پاشا** ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم کی رپورٹ پر یہ کتب خانہ قائم کیا گیا۔ اور تمام قدیم کتب خانون کی کتابین اسمین داخل کردی گئین۔ **خدیو** کے حکم سے علما کی ایک مجلس قائم ہوئی جسکا یہ کام تھا کہ عمدہ اور نادر کتابون کا پتہ لگائے تاکہ انکی نقلین لکھوا کر کتب خانے مین داخل کی جائین۔ جب کتابون کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع ہوگیا تو خدیو نے فہرست کی طیاری کا حکم دیا چنانچہ سنہ ۱۳۰۰ھ مین یہ فہرست شروع ہوکر سنہ ۱۳۰۹ھ مین انجام کو پہنچی۔ یہ فہرست آٹھ جلد مین ہے اور صرف عربی کتابون کی ہے۔ ترکی۔ اور فرنچ و انگریزی کتابون کی جدا فہرستین ہین۔

نقشہ ذیل سے عربی کتابون کے متعلق ایک اجمالی اطلاع حاصل ہوگی۔

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
مصاحف مجید	۱۶۱	حدیث	۱۵۰۴

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
علم قرات	۸۵	توحید	۵۶۳
تفسیر	۶۴۷	تصوف	۷۰۵
مواعظ	۳۷۷	الفوائد والادعیۃ	۶۴۴
اُصول فقہ	۲۲۵	آداب البحث	۱۰۸
فقہ حنفی	۱۴۵۱	فقہ مالکی	۲۳۷
فقہ شافعی	۵۲۰	فقہ حنبلی	۲۶
علم الفرائض	۱۳۸	علم صرف	۲۳۸
نحو	۱۰۲۹	بلاغۃ	۲۸۵
علم الوضع	۱۸	علم اللغۃ	۱۶۰
عروض والقوافی	۶۸	علم ادب	۱۲۴۹
تاریخ	۱۱۸۴	ریاضی	۱۸۸
علم الھیئۃ	۱۹	علم المیقات	۵۵۴
علم الحروف والاسماء	۱۸۵	اکیمیا والطبیعۃ	۹۸
طب	۴۶۴	منطق	۲۵۶
حکمت و فلسفہ	۱۲۴	فنون متنوعۃ	۱۰۹۶
میزان کل			۱۴۷۰۵

میں اس موقع پر بعض نادر و نایاب کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس کتبخانہ میں موجود ہیں۔

تفسیر۔ احکام القرآن لابی بکر الجصاص المتوفی سنہ ۳۷۰ھ۔ احکام القرآن لابن العربی
احکام القرآن لکیا الہراسی المتوفی سنہ ۵۰۴ھ۔ اعراب القرآن للنحاس النحوی المتوفی سنہ ۳۳۸ھ
اعجاز القرآن للباقلانی۔ البحر المحیط لابن حیان الاندلسی۔ البرہان للشیخ ابی الحسن الواحدی
المتوفی سنہ ۴۶۸ھ فی عشر مجلدات۔ البسیط للواحدی۔ تنزیہ القرآن للقاضی عبد الجبار المعتزلی
جامع البیان فی تاویل القرآن لمحمد بن جریر الطبری۔ ۲۱ مجلدات۔ تفسیر ابن جوزی ۴ مجلدات
۔تفسیر حافظ عبد الرزاق بن ہمام المتوفی سنہ ۲۱۱ھ۔ غریب القرآن للسجستانی المتوفی سنہ ۳۳۰ھ
غریب القرآن لاحمد بن محمد الہروی المتوفی سنہ ۴۰۱ھ۔ غریب القرآن لابن الشحنۃ۔ قانون التاویل
للقاضی ابی بکر ابن المغربی الاندلسی المتوفی سنہ ۵۴۳ھ الکفیل بمعنے التنزیل للعماد الکندی
قاضی سکندریہ۔ المتوفی سنہ ۶۸۱ھ۔

حدیث۔ الاحکام الکبری لعبد الحق الاشبیلی۔ اختلاف الحدیث للامام الشافعی۔
آداب لامام الحافظ البیہقی۔ جامع المسانید والالقاب لابن الجوزی۔ الجوہر النقی۔ الحاوی
فی بیان آثار الطحاوی۔ سنن کبری بیہقی۔ شرح معانی الآثار للعینی۔ مسند امام حنبل۔ مسند
امام راہویہ۔ مسند حافظ ابی عوانۃ۔ مسند حافظ ابو عبد اللہ المزدری۔ مسند حافظ ابو نعیم۔

تاریخ۔ احاطہ فی اخبار غرناطہ۔ اخبار ابی نواس عدد اوراقہا ۱۲۰۔ اخبار سیبویہ النحوی
اوراقہا ۲۶۔ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ۔ اوراق صولی ناقص۔ تاریخ دمشق لابن عساکر
ناقص۔ تاریخ بغداد خطیب ناقص۔ تاریخ الحکما لجمال الدین القفطی۔ طبقات الامم لصاعد الاندلسی

سلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف کشف الظنون۔ السہم المصیب فی الرد علی الخطیب۔ طبقات الحفاظ للذہبی۔ طبقات کبرے سبکی۔ طبقات الشافعیہ۔ طبقات الشعراء لابن قتیبہ۔ طبقات الفقہاء امام ابو اسحٰق شیرازی۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ عینی۔ طبقات حملۃ المذہب لابن الملقن۔ فضائل ابی بکر الصدیق لابن العشاری من اصحاب القرن الخامس۔ فضائل ابی حنیفہ النعمان لابن العوام۔ فضائل مصر لابن یوسف الکندی المتوفی ۳۵۰ھ منقولہ من نسخۃ الاصل الکتبیۃ لکافور الاخشیدی۔ اللباب فی الانساب لابن الاثیر۔ مناقب الشافعی مختصر المنتظم لابن الجوزی واختصارہ ایضاً لہ۔ مسالک الامصار لابن فضل اللہ۔

مناقب الامام الشافعی للرازی۔ مناقب امام احمد حنبل لابن الجوزی۔ سیرۃ الفاروق لابن الجوزی۔ المنتظم لابن الجوزی۔ نہایۃ الارب للنویری ناقص۔

ادب۔ الاشباہ والنظائر۔ البیان والتبیین للجاحظ۔ جمہرۃ اشعار العرب۔ ابن درید۔ حماسۃ البصری۔ دیوان حافظ ابن حجر۔ دیوان ابن الرومی۔ دیوان ابن المعتز۔ دیوان ابی نواس۔ دیوان الاعشی۔ ذوالرمۃ۔ دیوان قطامی۔ دیوان قیس بن الخطیم۔ دیوان لبید۔ دیوان المتلمس۔ روضۃ البلاغۃ۔ الزاہر للزجاجی۔ شرح ابن جنی علی المتنبی۔ شرح دیوان ابی تمام للصولی المتوفی ۳۳۵ھ شرح دیوان جران العود للامام السکری المتوفی ۲۷۵ھ شرح دیوان حطیئۃ۔ شرح مرزوقی علی الحماسہ۔ شرح الحماسہ لابی العلاء المعری۔ شرح دیوان حماسہ لابن جنی۔ شرح دیوان خریق وہی شاعرۃ جاہلیۃ۔ شرح دیوان زہیر بن ابی سلمی للامام ثعلب۔ شرح دیوان زہیر للاعلم الشنتمری۔ شرح دیوان عبید اللہ بن قیس والرقیات للسکری۔

شرح دیوان المثقب العبدی وہو جاہیلی۔ شرح المعلقات لابن النحاس۔ شرح المفضلات لابن الانباری۔ دیوان سراقہ بن مرداس۔ دیوان شماخ۔ دیوان عمر بن ابی ربیعۃ۔ شرح دیوان روبۃ۔ شرح دیوان العجاج۔ دیوان واد الدمشقی۔

قدیم یادگارین اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہین کر سکتا سچ یہ ہے کہ یہان کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سواد شہر کے ویرانون مین اسوقت تک سیکڑون خزف ریزے ملتے ہین جن پر کئی کئی ہزار قبل کے حروف و نقوش کندہ ہین۔ مجھکو اتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی ہمت کہان تھی کہ تمام قدیم یادگارون کی سیر کرتا۔ البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور اُنہی کے حال پر اکتفا کرتا ہون۔

اھرام۔ یہ وہ قدیم مینار ہین جنکی نسبت عام روایت ہے کہ طوفان نوحؑ سے پہلے موجود تھے۔ اور اسقدر تو قطعی طور سے ثابت ہے کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہے۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف مین اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ مینار نہایت کثرت سے تھے یعنی دو دن کی مسافت مین پھیلے ہوئے تھے۔ صلاح الدین کے زمانہ مین اکثر ڈہا دئیے گئے۔ ان مین سے جو باقی رہگئے ہین اور جن پر خاص طور سے اھرام کا اطلاق ہوتا ہے صرف تین ہین۔ جو سب سے بڑا ہے اسکی لمبائی ۴۸۰ فیٹ یعنی قطب صاحب کی لاٹ سے دگنی ہے۔ نیچے کے چبوترہ کا ہر ضلع ۷۶۴ فیٹ ہے۔ مینار کا مکعب ۸ کروڑ نوے لاکھ اھرام

فیٹ ہے اور وزن ۶۰ لاکھ ۸۰ ہزار ٹن - اسکی تعمیر مین ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے - جو مین ۳۰۰ - ۳۰ فیٹ لمبے اور ۵ - ۵ فیٹ چوڑے پتھر کی چٹانین ہین - اور چوٹی پر جو چھوٹی سی چھوٹی ہین ۹ فیٹ کی ہین - اسکی شکل یہ ہے کہ -

ایک نہایت وسیع مربع چبوترہ ہے - اسپر ہر طرف سے کسیقدر سطح چھوڑکر دوسرا چبوترہ ہے - اسیطرح چوٹی تک اوپر تلے چبوترے ہین اور ان چبوترون کے بتدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زینون کی شکل پیدا ہو گئی ہے - تعجب یہ ہے کہ پتھرون کو اسطرح وصل کیا ہے کہ جوڑ یا درز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونہ یا مصالح کا بھی اثر نہین معلوم ہوتا - اسپر استحکام کا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے اور جوڑون مین بال برابر فصل نہین پیدا ہوا ہے - ان مینارون کو دیکھکر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جر ثقیل کا فن قدیم زمانہ مین موجود تھا - کیونکہ اتنے بڑے بڑے پتھر اتنی بلندی پر جر ثقیل کے بغیر چڑھائے نہین جا سکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھین تو جر ثقیل سے بھی بڑھکر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑے گا -

ان مینارون مین سے ایک جو سب سے چھوٹا ہے کسیقدر خراب ہو گیا ہے جسکی کیفیت یہ ہے کہ سنہ ۵۹۳ ہجری مین ملک العزیز (پسر سلطان صلاح الدین) نے بعض احمقون کی ترغیب سے اسکو ڈھانا چاہا - چنانچہ دربار کے چند معزز افسر اور بہت سے نقب زن اور سنگتراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے - آٹھ مہینے تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششین عمل مین آئین - ہزارون لاکھون روپے برباد کر دیئے گئے - لیکن بجز

اس کے کہ اوپر کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں کہیں سے ایک آدھ پتھر اُکھڑ گیا اور کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مجبور ہو کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔[1]

ابوالہول

اہرام کے قریب ایک بہت بڑا بت ہے جسکو یہاں کے لوگ **ابوالہول** کہتے ہیں۔ اسکا سارا دھڑ زمین کے اندر ہے۔ گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ چہرہ پر کسی قسم کا سُرخ روغن مَلا ہے جسکی آب اسوقت تک قائم ہے۔ ان اعضا کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساٹھ ستر گز سے کم نہو گا۔ باوجود اس غیر معمولی درازی کے تمام اعضا ناک کان وغیرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کا فرق نہیں۔ عبداللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ آپ نے دنیا میں سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی" اُس نے کہا کہ "ابوالہول کے اعضا کا تناسب"۔ کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں اسمیں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں۔

قلعہ۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہے۔ قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا۔ البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی۔ بڑی شان و شوکت کی ہے۔ چھت اور دیواروں پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ تمام مسجد میں نہایت عمدہ ترکی قالین کا فرش ہے

چاہ یوسف

مسجد کے قریب وہ عجیب غریب کنواں ہے جسکو عوام نے چاہ یوسف اور زندان یوسف مشہور کر رکھا ہے اور لوگ اُس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام **یوسف** تھا۔ اس لئے مجاوروں کو عوام کے بہکانے کا اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا ہے

[1] اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی نے مصر کی تاریخ میں۔ افسوس کے ساتھ درج کیا ہے ۱۲

لطف یہ ہے کہ اس میں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اُسکو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں۔ مجاور صاحب نے مجکو بہی دہوکہ دینا چاہا اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہاں؟ تو برجستہ فرمایا کہ "مجکو سہو ہوا یہ اُس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قیدخانہ میں داخل ہوا تہا اور اُن سے خواب کی تعبیر پوچھی تہی۔

یہ کنواں درحقیقت عجیب و غریب ہے کس کے عمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ (۳۰۰) سیڑہیاں اُتر کر اس کی جگت ملتی ہے سیڑہیاں بڑے کج و پیچ سے بنائی گئی ہیں اور راستہ اس قدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچہہ نظر نہیں آسکتا چنانچہ جو لوگ اُس کی سیر کو جاتے ہیں۔ مجاور شمع لیکر اُن کے ساتہ ہوتا ہے۔ جگت پر پہنچکر میں نے کنکری پہینکی تو دیر کے بعد اُس کی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ پانی بہت فاصلہ پر ہے

عجائب خانہ

انٹیک خانہ یعنی عجائب خانہ۔ یہ عجائب خانہ محمد علی پاشا خدیو مصر نے ۱۸۳۵ء میں قائم کیا۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے عجائب خانہ اسی میں واقع ہے۔ اس میں بیشمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب ہیں۔ یہاں حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں۔ تشتریاں۔ پیالے۔ مرتبان اور اس قسم کے سیکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں۔ سب سے عجیب و غریب وہ لاشیں ہیں جن پر ہزاروں برس گزر چکے اور اب تک اصلی ہیئت کے ساتھ قائم ہیں ان کو عربی میں مومیائی۔ اور انگریزی میں ممی کہتے ہیں

قدیم لاشیں

قدیم مصریوں کا دستور تہا کہ لکڑی یا پتہر کو کشتی کی وضع پر تراش کر اُس میں مُردوں کی لاشیں رکہتے تہے

اور خالی جگہ کو چونہ وغیرہ سے بہر کر اوپر کی سطح پر مردہ کی تصویر بنا دیتے تہے۔ لاشون مین ایک خاص قسم کا مصالحہ لگایا جاتا تہا جسکی وجہ سے بدن سڑنے گلنے سے محفوظ رہتا تہا۔ اس قسم کے بہت سے تابوت یہان موجود ہین اور انہی کو مومیای یا ممی کہتے ہین۔ ان مین سے دو یا تین تابوت کہل گئے ہین۔ یعنی اوپر کا چونہ اور مصالحہ ہٹ گیا ہے اور اسوجہ سے تمام جسم صاف نظر آتا ہے۔ مین نے بہت غور سے ان لاشون کو دیکہا۔ باوجود ہزارون برس گزرنے کے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بہی اثر نہین۔ سر کے بال اور ناخن بدستور قایم ہین۔ انکو دیکہکر دل پر عجیب تاثیر ہوتی ہے اور درحقیقت ان سے بڑہکر عبرت کا مرقع اور کیا ہوگا؟

زندان یوسف

سجن یوسف۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ۔ یہ وہی قید خانہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید مین ہے اور جو حضرت یوسفؑ کے جمال مبارک کی وجہ سے رشک ارم تہا۔

شعر

در چمن بود زلیخا و بحسرت می گفت
یاد زندان کہ درو انجمن آرائے ہست

علامہ مقریزی نے لکہا ہے کہ "صحیح روایات اور قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ جس قید خانہ مین قید ہوئے تہے وہ یہی مقام ہے"۔ مجہکو سخت افسوس ہے کہ مین اس عبرت انگیز اور متبرک مقام کی سیر نہ کر سکا۔ مین نے اسکا تذکرہ صرف اسوجہ سے کر دیا ہے کہ ہمارے ہموطنون مین سے خدا کسی کو یہان پہنچائے تو میری طرح اسکی زیارت سے محروم نہ رہے۔

اسلامی قدیمی یادگارین بہی یہان کثرت سے ہین۔ مسجدون کی تو کچہ انتہا نہین۔ سیکڑون

قاہرہ میں حضرت امام حسین کی مسجد ہے جو شہر میں سب سے [illegible]

حضرت کے سر مبارک کی [illegible] ہے۔ [illegible] ایک مسجد [illegible] حضرت

[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] کمان تک [illegible]

بیل بوٹون کے [illegible] لوگ اس مسجد کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ حکومت کی جانب

سے [illegible] بڑا اہتمام ہے۔ شاندار [illegible] ہے۔ [illegible]

ساز و سامان نے اس کی رونق بڑھا دی ہے۔ [illegible] کی [illegible] چھپا ہوا ہے

اور غالباً بہت جلد [illegible] جاتا ہے۔ کیونکہ میں نے جب دیکھا [illegible] کا خاص تعلق

اثر تھا۔

سب سے زیادہ عجیب و غریب مسجد سلطان حسن کی ہے جو قلعہ کے قریب ہے

اس مسجد کی تعمیر متواتر تین برس تک ہوئی [illegible] روزانہ صرف

ہوتے تھے [illegible] اسکی تعمیر شروع ہوئی اور [illegible] میں انجام کو پہنچی۔ اسکو مدرسہ

سلطان حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے چاروں طرف [illegible] ایوان ہیں جنمیں ائمہ اربعہ

کے فقہا فقہ و حدیث کا درس دیتے تھے۔ [illegible] مقریزی نے لکھا ہے کہ تمام ممالک اسلام

اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اسکے مشابہ نہیں ہوئی۔ اگرچہ میں اس دعوے کو تسلیم نہیں

کر سکتا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد [illegible] بلند اور [illegible] نہیں ہے۔

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہوتی جاتی ہے [illegible] اسکو

اُس میں چراغ تک نہیں جلتا۔ اور دروازہ ہر وقت بند رہتا ہے۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی۔ اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہ بیقدری نہایت قابل تعجب ہے۔

مزارات

مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور اُن کے مصارف کے لیئے بہت سی اوقاف ہیں۔ حضرت زینبؓ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ۔ امام شافعیؒ۔ امام لیثؒ کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کی۔ اور اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا لیکن وہاں پہنچکر جو حالت دیکھی اُس سے طبیعت کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے ہیں جن میں اُن کے اعتقاد کے موافق۔ حضرت زینبؓ و امام شافعیؒ وغیرہ کی روحیں عالم بالا سے اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو حضرۃ کہتے ہیں اور جس کے حضرۃ کا جو دن ہوتا ہے اُس دن اُن کے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اُسوقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے اُس میں اور شرک و بت پرستی میں اگر کچھ فرق ہے تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر بیں کو نظر نہیں آسکتا تھا۔ مجکو ہندوستان ہی کی قبر پرستی کا رونا تھا۔ لیکن مصر پہنچکر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعر یاد آیا۔ ؎

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

قدیم مدرسے

قدیم زمانہ کے مدرسے جنکا اجمالی ذکر میں نے گزشتہ تعلیم میں کیا ہے اَب بھی

موجود ہیں لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں۔ راہ چلتے چلتے اتفاق سے ایک مدرسہ میں میرا گزر ہوا۔ اگرچہ وہ محض ایک معمولی مدرسہ تھا لیکن عمارت خوشنما اور بہت اونچی تھی۔ چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے کمرے۔ بیچ میں وسیع صحن صحن میں دو ایک کیاریاں اور کھجور کے چند درخت ہیں۔ غرض اُس کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ چھوٹے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرسے زیادہ پُرشان۔ موزوں اور خوبصورت رہے ہوں گے۔

مطابع

مطابع و اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پہیلی ہوئی ہیں اور عربی کتابوں کے چھاپنے اور پہیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہے اس لئے ان مطبعوں اور یہاں کے کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بہی ضرور ہے۔

مطابع یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابل تعریف ہیں بالخصوص بلاق کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہے اور صحت و صفائی و خوبی کاغذ و عمدگی طبع کے لحاظ سے اپنا آپ نظیر ہے۔ یہ مطبع ۱۸۲۷ء میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم ہوا اور اُس وقت اس میں چار سو آدمی کام کرتے تھے۔ اب بہی نہایت رونق پر ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ملک کے مذاق کے خراب ہوجانے کی وجہ سے عمدہ اور نادر المضمون کتابیں کم چھپتی ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں ان میں سے اگر سو دو سو کتابیں بہی چھاپ دیجائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے مالا مال ہوجائے۔ اس لئے

بعض روشن ضمیر مطبع والون سے اِس باب مین گفتگو کی۔ اُنہون نے جواب دیا کہ اِس قسم کی کتابین عام پسند نہین۔ عام پسند کتابین البتہ بار بار چھپتی ہین اور بک جاتی ہین۔ مثال کے طور پر اُنہون نے کہا کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف جو آٹھ برس سے پہلے چھپی تھی اسکی جلدین آج تک نہین نکلین۔ افسوس اور شرم کی بات ہے کہ کتب خانہ خدیویہ کی نادر کتابین یورپ جاکر چھپتی ہین اور وہان سے شایع ہوتی ہین۔ سید عبد الواحد طوبی ایک مشہور تاجر ہین۔ یورپ والون نے اُن سے معاملہ کر رکھا ہے وہ انکے حسب فرمایش کتابون کی نقل لکھوا کر یورپ کو بھیجتے ہین چنانچہ سید عبد الواحد نے مجھکو تین چار کتابونکی قلمی اجزاء دکھلائے جو اُنہون نے یورپ بھیجنے کے لیئے نقل کرائے تھے۔

البتہ مصر کا یہ احسان ہے کہ کتابین نہایت ارزان ہین جسکی وجہ سے انکا نفع بہت عام ہے مین نے بہت سی کتابین خریدین جو نوالکشوری مطبوعات سے بھی کم قیمت تھین۔ جن لوگون کو مصر کی کتابین مطلوب ہین اُنکو چاہیئے کہ براہ راست مصر سے منگوائین۔ بمبئی سے نہ منگوائین جہان کے تاجر چوگنے نفع پر بھی قناعت نہین کرتے۔ مصر کی کتابون کے لیئے سید عبد الواحد طوبی سے خط و کتابت کرنی چاہیئے۔ انکا پتہ یہ ہے۔ مصر۔ قاهرہ قریب الجامع الازہر۔ رُپیے منی آرڈر کے ذریعہ سے بے تکلف بھیجے جا سکتے ہین

اخبارات جو عربی زبان مین نکلتے ہین تیس سے اوپر ہین۔ انمین المؤید۔ المقطم۔ التقدم۔ اہرام۔ زیادہ نام آور ہین۔ انکے علاوہ ۲۵ - ۳۰ - اخبارات اور رسالے فرنچ اور انگریزی زبان مین نکلتے ہین۔

اور انگریزی زبان میں نکلتے ہیں

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اخباروں کو آزادی حاصل ہے۔ اسلیئے یہ اخبارات ہر قسم کے ملکی معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ عربی زبان میں پالٹیکس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہمارے ہندوستان کے علما اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے اس لیئے بعض بزرگوں کا خیال تھا کہ پالٹیکس کے خیالات اس زبان میں پوری طرح ادا ہی نہیں ہو سکتے۔ لیکن مصر کے اخبارات نے اس خیال کو قطعاً باطل کر دیا ہے۔

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی بڑی قابلیت سے شائع ہوتے ہیں ان میں سے **مقتطف** اور **الہلال** زیادہ کامیاب ہیں۔ الہلال ہمارے لجنۃ الادب[۱] میں آتا ہے۔ آٹھ روپیہ سالانہ قیمت ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اربابِ ذوق بھی اس کی خریداری فرمائیں اور فائدہ اٹھائیں۔

تھیٹر

تھیٹر تھیٹر یہاں دو تین ہیں۔ ایک سرکاری ہے جو خدیو اسمٰعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہوا تھا

[۱] یہ ایک انجمن ہے جو ہمارے مدرسۃ العلوم میں ڈیڑھ سال سے قائم ہے۔ ہر مہینے میں اس کے تین چار اجلاس بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں۔ اور جسقدر تقریریں اور اسپیچیں کی جاتی ہیں عربی زبان میں کی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کی تمام کارروائی عربی ہی زبان میں ہوتی ہے۔ شاید تمام ہندوستان میں اس قسم کی یہ پہلی مجلس ہے۔ ہمارے قدیم مدارس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہیئے۔ ۱۲

یہ بڑے تکلف اور شان و شوکت کا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بند تھا۔ اس لیئے میں اکی سیر نہ کر سکا۔ ایک اور تھیئٹر ہے جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کی سیر کی۔ پردے اور ساز و سامان اچھے ہیں۔ تماشہ یہ تھا کہ نیوبا (یا) یونان (مقام خوب یاد نہیں) کی ملکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے۔ قیصر نے ملکہ سے بعض نئے ممالک طلب کیئے۔ ملکہ نے انکار کیا۔ اسیر دو تین بار۔ رد و بدل ہوئی یہاں تک کہ جنگ چھڑ گئی اور بڑا معرکہ ہوا۔ عورت جو ملکہ بنی تھی اُسکا لباس بالکل یورپین تھا۔ کمر میں ننگی تلوار تھی اور نہایت زیب دیتی تھی۔ ایکٹ بھی اُس نے خوب ادا کیا تھا۔ قاصد سے قیصر کا پیغام سُنکر۔ اُسکا تڑپ کر اُٹھنا۔ تلوار کو جنبش دینی۔ اور پُر غیظ لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف نرضی بھذا الذُّل والھوان۔ ساتھ ہی عرب جاہلیہ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ اشعار اُسنے گائے نہیں تھے بلکہ غیظ اور رادغا کے لہجہ میں ادا کیئے تھے۔ لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتوں میں تلواریں لیکر دست بدست لڑیں۔ تلواروں کے وار صاف نظر آتے تھے اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اُن کی لڑکھڑاہٹ۔ اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ سب سے زیادہ مجکو جو چیز پسند آئی رہ یہ تھی کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا۔ پورا گیت یاد نہیں مگر یہ الفاظ ضرور تھے۔ العیش تم۔ والنفع عم من الخدیو المحترم۔ اسی طرح او متعدد ہم قافیہ الفاظ ضرور تھے۔ ہر ہر فقرہ پر آواز کا چڑھاؤ اُتار۔ عربی لہجہ کے ساتھ نغمہ طرازی۔ اُصولِ موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھ کر یہ

خیال کہ اسس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راگ گانے والے سب عیسائی ہیں میرے
دل پر عجیب اثر کرتا تھا۔

تھیٹر۔ ہندوستان کا ہو۔ خواہ عرب اور مصر کا۔ میرے نزدیک اس کی شرکت
وقار وشائستگی کے خلاف ہے۔ لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی تھی شعر

اُس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل   میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کلب اور انجمنیں

انجمنیں

انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور ان کے مختلف مقاصد ہیں۔ ۹ خیراتی ہیں جن کا
مقصد غریبوں کی امداد واعانت ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمانوں کی
نہیں۔ علمی انجمنیں بھی متعدد ہیں۔ جن میں جمعیۃ العلماء المصریہ جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی
اور المجمع العلمی الجغرافی جسکو خدیو اسمعیل پاشا نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا[1] زیادہ نامور
اور فائدہ رساں ہیں۔ ڈیبٹنگ کلب یعنی مناظرہ کی مجلسیں نہایت کثرت سے ہیں
اور ان کی وجہ سے مصریوں نے لکچر واسپیچ کے فن میں بہت ترقی کی ہے۔ ایک مجلس
میں میں خود شریک ہوا۔ صدر کی جانب ایک بلند چبوترہ تھا جس پر صدر انجمن اور سکرٹری
کی کرسیاں بچھی تھیں۔ عام حاضرین بنچوں پر تشریف فرما تھے۔ میرے سامنے چار پانچ

---

[1] اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت نادر تحقیقات اور معلومات فراہم کیں جو مستقل رسالہ کی صورت
میں چھپکر شائع ہوئی ہیں۔ اسس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتب خانہ اور دیگر لوازمات ہیں۔ ۱۲

شخصوں نے گفتگو کی۔ان کی تقریریں ایسی برجستہ پُرزور اور فصیح تھیں کہ مجھپر ایک حیرت سی طاری تھی۔تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہے۔لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف وآورد کا نام نہیں ہوتا۔اس قسم کی مجلسوں اور اخبارات کی آزادی کی وجہ سے مصریونمیں جو عام زندہ دلی۔آزادی خیالات۔جرأت اور حوصلہ مندی پیدا ہوگئی ہے۔ٹرکی ممالک بلکہ کل موجودہ اسلامی حکومتوں میں اسکا پرتو تک نہیں

مولد نبوی

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہیئے کہ مولد کے اصل معنی اگر سمجھے تو انہیں نے سمجھے۔یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطۂ زمین ہے جسکو ایک معزز خاتون نے اسی کام کے واسطے وقف کر دیا ہے۔اس میدان میں تین طرف۔نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیانے نصب ہوتے ہیں اور بیچ کی زمین بطور صحن کے چھوڑ دیجاتی ہے۔صحن بالکل دائرہ کی ہئیت میں ہوتا ہے اور اسکے ہر چہار طرف سُرخ جھنڈیاں کھڑی کیجاتی ہیں یہ خیمے اور شامیانے چونکہ عموماً پاشاؤں اور اُمرا کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاست سے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ہر پاشا اور امیر۔اپنا خیمہ جداگانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے۔جھاڑ و فانوس کی روشنی ہوتی ہے اور کثرت سے ہوتی ہے۔ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہر وقت مہیا رہتی ہے۔جسوقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہو خیمہ میں داخل ہوتا ہے فوراً چائے

یا شربت سے اس کی تواضع کیجاتی ہے۔

خدیو کا خیمہ جس میں اُن کی طرف سے انکا نائب شریک ہوتا ہے سُرخ ہوتا ہے اور نہایت پُرشان و پُر رونق ہوتا ہے۔ ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقرا اور صوفیہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے موافق ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقرا سے بالکل جدا ہے۔ سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ ایک ساتھ بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں۔ اِن الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب جھک کر کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اُسکو ورزش کا دھوکا ہو درویشان رقاص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے اور سچ یہ ہے کہ فقر و تصوف کی تضحیک و توہین ہے۔ ان لوگوں کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے۔ پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اسقدر یاد ہے کہ نیجا جامہ اور کمر میں سبز پٹکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صف باندھ کر بیٹھتے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں جا کر ناچنا شروع کرتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اُصول آدا کیے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے جو دیکھا اسی قدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھرکی کی طرح چکر لگاتا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ تک اسی طرح ناچتا رہا لیکن ہاتھ یا اور کسی عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی۔ ایک اور گروہ تھا جسکا طریقہ کسی قدر اس سے مختلف تھا۔ ان لوگوں کے جامے اور بھی اور زیادہ گھیر دار تھے۔ قریباً جس طرح گھاگرہ والی پلٹن۔ ناچنے کے وقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجکو سخت افسوس ہوا کہ اس بیہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے

لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث قطب ابدال اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں۔

ع وللناس فیما یعشقون مذاہب۔

درویشان رقاص کا ذکر ضمناً آگیا تھا۔ اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کی طرف رجوع کرتا ہوں پہلی تاریخ سے یہ اجماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑہتا جاتا ہے یہاں تک کہ بارہویں کی شب کو اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگھ نہیں ملتی۔ صبح کو سب لوگ خصوصاً نائب الحکومت۔ قاضی۔ مفتی۔ شیخ الازہر مشہد حسین میں جمع ہوتے ہیں اور ایک عالم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حالات پڑہتا ہے۔ ولادت کے ذکر کے وقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہوجاتی ہے جس کے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجکو بہت پسند آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ واله وسلم کی ولادت پر جس جوش اور مسرت کا اظہار ہونا چاہیئے وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہیئے چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں یہ اجماع۔ شان وشوکت۔ سروسامان کہاں؟ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں۔ اول یہ کہ گیارہویں اور بارہویں کو آتشبازی ہوتی ہے اور یہ امر ایسی مقدس رسم کے شایاں نہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکھکر اسی مجمع کے قریب سڑکوں پر تہئیٹر وغیرہ قائم ہوجاتے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ انکو قطعاً روک دے۔

اہل کمال اور مفید تصنیفات

اہل کمال قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی علما اور مصنفین کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مذاق بالکل الگ

الگ ہی۔ ازہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن یعنی نحو وفقہ میں کامل خیال کیے جاتے ہیں لیکن اُن کے کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے جس میں تحقیق واجتہاد کا شایبہ نہیں۔ خود شیخ ازہر جنکو امام الفن کہا جاتا ہے۔ کسی فن میں اُن کی کوئی محققانہ تصنیف نہیں۔ نئی تعلیم نے بھی اگرچہ اب تک کوئی بڑا صاحب کمال نہیں پیدا کیا لیکن اُس میں تحقیق واجتہاد کی جھلک پائی جاتی ہے اور تصنیفات میں یورپ کا انداز ہے۔ میں اِن دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکھتا ہوں۔

علی پاشا مبارک

علی پاشا مبارک

مصر کے سررشتہ تعلیم میں جو کچھ اصلاح وترقی ہوئی ہے۔ انہیں کی بدولت ہوئی ہے سولہ برس کی عمر تھی کہ یہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں مدرسہ مہندس خانہ میں داخل ہوئے ۱۲۶۰ھ میں محمد علی پاشا کے بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہکر متعدد ڈگریاں حاصل کیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں انکو دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی اسی زمانہ میں اُنہوں نے بہت سے علمی کام کیے۔ خانگی مکاتب کی اصلاح کی۔ اضلاع میں صدر مدارس قائم کیے۔ دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ کتب خانہ خدیویہ قائم کیا۔ ۱۲۸۵ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوئے۔ اور تعلیم کو نہایت ترقی دی۔ خود بھی صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ مقریزی کے خطط وآثار کا نہایت عمدہ تکملہ لکھا ہے۔ شہنشاہ فرانس اور شاہ آسٹریا نے انکو اعزاز کے تمغے بھیجے۔ میں ان کی ملاقات کا بہت شائق تھا لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں خدیو کے ساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے۔ تین چار مہینے ہوئے اُنہوں نے انتقال کیا

ان کے جنازے میں تمام اعیان سلطنت شریک تھے۔ حال میں ان کی سوانح عمری لکھی گئی اور شائع ہوئی ہے۔

علی پاشا ابراہیم

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشنضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ میں تعلیم کی غرض سے فرانس گیا اور پانچ برس رہکر نہایت اعلی درجہ کی ڈگری حاصل کی سنہ ۱۲۹۶ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوا معلمین کے مدارس اول اسی نے قائم کئے۔ سلطنت فرانس نے اسکو افیسر کے درجہ کا تمغہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

امین بک فکری

امین بک فکری

ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ فرانس میں تعلیم پائی ہے۔ سویڈن میں جو اورنٹیل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں سلطنت مصر کی طرف سے وکیل مقرر ہوکر گئے تھے۔ چنانچہ حالات سفر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے دیکھنے سے ان کی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کی قیمت آٹھ روپیہ ہے اور واقعی قابل سیر کتاب ہے۔

احمد زکی

احمد زکی

محکمہ ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ فرنچ نہایت عمدہ جانتے ہیں۔ غلامی کے مسئلہ پر ایک رسالہ فرنچ میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے اسپر آرٹکل اور ریویو لکھے۔ چنانچہ اصل رسالہ معہ ریویو وغیرہ کے عربی میں ترجمہ ہوکر چھپا ہے جسکا نام الرق فی الاسلام ہے ان کی اور بھی مفید تصنیفات ہیں۔ لندن میں جو اخیر

اور نیشنل کانفرنس منعقد ہوئی تہی اسمین یہ وکیل مقرر ہوکر گئے تہے۔

شیخ محمد عبدہ

پرانے تعلیم یافتہ ہین۔ فن ادب مین تمام مصر و شام انکو استاد الفن تسلیم کرتا ہے۔ شیخ محمد عبدہ
مقامات بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکہی ہے۔ روشن ضمیری کے ساتہ نئے مذاق
سے آشنا ہین جسکا سبب سید جمال الدین افغانی کا فیض صحبت ہے۔ سید موصوف کے ایک
رسالہ کا عربی مین ترجمہ کیا ہے اور اُسکے دیباچہ مین مختصر طور پر اُنکی سوانح عمری لکہی ہے۔ مین
اُسکے بعض فقرے اِس مقام پر لکہتا ہون جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زور
تحریر کا اندازہ ہوگا۔ ہمارے ملک مین جو لوگ فن ادب کو لئے بیٹہے ہین انکو اس طرز کی
تقلید کرنی چاہیئے اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہیئے۔ جہان سید
موصوف (جمال الدین افغانی) کے حلیہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہے۔ وہان
لکہا ہے اما خلقه فيمثل لناظر عربيا محضا۔ ربعة فى طوله وسط فى بنيته۔
قمحى فى لونه۔ عصبى دموى فى مزاجه عظيم الراس فى اعتدال عريض الجبهة
فى تناسب۔ واسع العينين۔ ضخم الوجنات۔ رحب الصدر۔ هش بش
عند اللقاء۔ اما اخلاقه فلامة القلب سايدة فى صفاته وله حلم
عظيم يسع ماشاء الله ان يسع الى ان يدنو منه احد ليمس شرفه او دينه
فينقلب الحلم الى غضب فبينما هو حليم اوّاب اذا هو اسد وهاب۔ وهو كريم يبذل
مابيده قوى الاعتماد على الله لايبالى ماتاتى به صروف الدهر۔ سهل لمن لاينه صعب على من خاشنه۔ وله سلطة على

دقائق المعانی و یحدیدہا و ابرازہا فی صورتہا اللایقة لہا کان کل معنی قد خلق لہ کل موضوع یلقی الیہ یدخل للبحث فیہ کانہ صنع یدہ فیاتی علی اطرافہ و محیط بجمیع اکنافہ۔

میں ان سے ملا تھا دیر تک لطف کی صحبت رہی ازہر کی ابتری تعلیم پر افسوس کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ نئے تعلیم کے بھی سخت شاکی تھے اور کہتے تھے کہ ھولاء اضل سبیلا۔ افسوس ہے کہ گورنمنٹ مصر نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا ہے وہ سررشتہ تعلیم کے لیئے زیادہ موزوں تھے چنانچہ خود بھی اسکا افسوس کرتے تھے۔

شیخ حمزہ فتح اللہ

شیخ حمزہ فتح اللہ

پرانے تعلیم یافتہ اور پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ فن ادب کے بڑے اُستاد ہیں۔ دارالعلوم میں ادب کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے انہیں کا انتخاب ہے۔ سررشتہ تعلیم کے انسپکٹر ہیں۔ سویڈن کی اورنیٹل کانفرنس میں مصری سفارت کے ساتھ ممبر مقرر ہوکر گئے تھے اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تھا۔ جسکا نام حقوق النساء فی الاسلام ہے۔ یہ رسالہ سرکاری مطبع میں چھاپا گیا ہے۔ اگرچہ اصل موضوع پر بہت کم لکھا ہی اور جسقدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے تاہم عبارت نہایت اُستادانہ بلند اور پرزور ہے۔

مجھ سے ان سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیر تک علمی تذکرے رہے۔ رسالہ مذکور کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں۔ کچہری سے اُٹھکر اپنے مکان پر لوا گئے اور اصرار کرکے کھانا کھلایا۔ کھانا نہایت سادہ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں۔

چونکہ وہ عربی زبان کے اُستاد ہیں اور عرب کے ساتھ انکو خاص محبت اور لگاؤ ہے انکا سادہ عربی کھانا ایک اثر پیدا کرتا تھا۔

لطیفہ۔ میں اور شیخ موصوف کھانا کھا رہے تھے کہ قریب سے ہیچوں ہیچوں کی آواز آئی میں حیران تھا کہ یہ انکر الاصوات کہاں سے آتی ہے۔ دیکھا تو ایک حجرہ میں گدہا بندہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدہا باندہنا معیوب نہیں۔ اگرچہ میں بازار میں اکثر لوگوں تو حتی کہ انگریزوں کو گدہے پر سوار پھرتے دیکھ چکا تھا بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شرف حاصل کرچکا تھا تاہم مجکو یہ توقع نہ تھی کہ بھلے آدمیوں کے ہاں گھوڑوں کی طرح گدہوں کا بھی اصطبل خانہ ہوتا ہے۔

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مصر کی روانگی کے ساتھ گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی نئی آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا۔ میں نے سفر کا تمام زمانہ (خلاف توقع) نہایت لطف۔ آرام۔ دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا۔ لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا فرض ہے کہ یہ لطف و آرام مجکو کیوں نصیب ہوا؟ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا؟ ان سوالوں کا صرف ایک جواب ہی۔ یعنی عربوں[۵۱] اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق حقیقت یہ ہے کہ اگر عربوں کی کریم الاخلاقی سے مجکو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے

عربوں کے فیاضانہ اخلاق

۵۱ شام و مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں۔ اسوجہ سے میں تمام شامیوں اور مصریوں کو بلحاظ اختصار عرب سے تعبیر کرتا ہوں۔

زندگی دوبھر ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ کسی شہر مین جاکر رہنا۔ کھانا پینا۔ ملنا جلنا۔ خرید فروخت سیر و تماشا۔ حالات کی تحقیق و جستجو۔ دریافت طلب امور کی تلاش۔ غرض تمام باتین زبان کے جاننے پر موقوف ہین اور مین ترکی زبان سے بالکل ناواقف۔ عربی زبان جسقدر جانتا تہا وہ بہی بیکار یا قریب بیکار تہی۔ اسقدر دولتمند بہی نہ تہا کہ بیدریغ روپیون کے صرف سے اِس کمی کا تدارک کرسکتا۔ ایسی حالت مین چہ مہینے کا زمانہ اِس لطف و آرام سے بسر کرنا کہ گویا مین وطن ہی مین تہا صرف ترکون اور خاصکر عربون کی عنایت تہی۔ ترجمانی یہ کرتے تہے۔ بازار سے چیزین یہ لا دیا کرتے تہے۔ لوگون سے تعارف یہ کراتے تہے۔ قابل سیر مقامات مین رہبر یہ بنتے تہے۔ دل لگی کی صحبتون مین شریک یہ ہوتے تہے۔ غرض کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تہی جسکے یہ کفیل نہ تہے۔ اور لطف یہ کہ بے غرض۔ بے سبب۔ صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے۔ تمام وہ جزئی واقعات جنمین مجہکو اِن لوگون کی فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا اُنکا بیان کرنا ممکن ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین واقعے لکھتا ہون۔ شیخ عبدالفتاح شیخ علی ظبیان۔ خوجی آفندی عبدالباسط آفندی۔ شیخ عبدالحلیم آفندی۔ عبدالسلام آفندی۔ کی فیاضیون کے واقعات جنکو مین پہلے لکھ آیا ہون اِس موقع پر ایک بار پڑہ لینا چاہئیے۔

جس زمانہ مین قسطنطنیہ مین مقیم تہا۔ عبدالسلام آفندی کے برادر عمزاد شاکر آفندی۔ مقدمہ کی ضرورت سے قسطنطنیہ مین آئے۔ عبدالسلام آفندی نے انکو اپنے پاس ٹھہرانا چاہا۔ لیکن اُنکے کمرہ مین جگہ نہ تہی۔ مجہسے کہا کہ تم اپنے ساتہ ٹھہرالو۔ مین نے

انکی خاطر سے گوارا کیا - میری روانگی کا زمانہ قریب آیا تو اُنھون نے کہا کہ مین بھی آمادہ سفر ہون - ساتھ ہوتا تو خوب تھا لیکن اسوقت میرے پاس رُپے نہین - گھر سے کچھ رُپے منگوائے ہین اُنکے آنے کا انتظار ہے - چونکہ وہ خاص بیت المقدس کے رہنے والے تھے مجھکو خیال ہوا کہ انکی وجہ سے آسایش و آرام کے علاوہ بیت المقدس مین مجھکو ہر ایک چیز کی تحقیق و اطلاع مین بہت مدد ملے گی - مین نے اُن سے کہا کہ رُپے مجھسے لے لیجئے وہان چلکر ادا کر دیجئے گا - اُنھون نے انکار کیا - اور باوجود اصرار کسیطرح رضامند نہوتے تھے - لیکن مین نے اسقدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کرسکے اور مین نے اُسیوقت ۱۰ رُپے اُنکو حوالہ کئے - عبد السلام آفندی اُسوقت مکان پر نہ تھے شام کو باہر سے آئے تو بات بات مین یہ تذکرہ آیا اُنھون نے یہ واقعہ سُنکر سر پیٹ لیا اور نہایت پریشان ہوئے - باربار کہتے تھے کہ شو فعلت - شو فعلت - یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا ہے - شاکر - گو میرا بھائی ہے لیکن نہایت آوارہ ہے اور ابھی ابھی تم سے فریب دیکر رُپے لئے" لطف یہ کہ رُپے تو میرے معرض خطر مین تھے لیکن عبد السلام آفندی کو مجھ سے بڑھکر اضطراب تھا - شاکر آفندی گھر مین آئے تو عبد السلام آفندی نے اُنکو سخت ملامت کی اور اُن سے دستاویز لکھوا کر اُسپر اپنی اور ایک اور شخص کی گواہی لکھی - مجھکو الگ لیجا کر کہا کہ قومی بدنامی کا معاملہ ہے - اسلئے مجھکو اپنے بھائی کی پردہ دری کرنی پڑتی ہے - یہ لڑکا (شاکر) آوارہ مزاج اور بدمعاملہ ہے - اسکی کوئی ذاتی جائداد بھی نہین - اِسکا چچا عبد الرزاق اسکا کفیل ہے - یہ دستاویز اُنھی کو حوالہ کرنا وہ تمکو رُپے دینگے

غرض دوسرے دن شاکر اور میں ساتھ جہاز پر سوار ہوئے۔ یمرنا میں پہنچے تو شاکر کے نام اُن کے وکیل کا تار آیا کہ فوراً واپس آؤ۔ شاکر نے مجھ سے کہا کہ میں تمکو چھوڑکر کیونکر جاسکتا ہوں۔ میں نے انکار وکنا مناسب نہ سمجھا اور بخوشی بلکہ باصرار اُن کو واپس بھیجا۔ بیت المقدس پہنچکر میں سید عبدالرزاق کے پاس گیا اور مجکو اس موقع پر مجبوری اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُنہوں نے میرے ساتھ سخت بداخلاقی کی۔ اسکی شکایت نہیں کہ رُپے نہیں دیئے تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آئے۔ دوسرے دن میں نے مفتی صاحب (جنکا ذکر اوپر گذر چکا ہے) کے پاس جاکر اُن سے سارا قصہ کہا اور دستاویز دکھلائی۔ مفتی صاحب نے عبدالرزاق کے پاس آدمی بھیجا۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ "اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں۔ دو چار دن کے بعد البتہ ادا کرسکتا ہوں"۔ مفتی صاحب کو چونکہ اطمینان تھا وہ یہ کہکر چُپ ہو رہے کہ رُپے ضرور ملجائیں گے۔ لیکن اور لوگ جو وہاں موجود تھے اور عبدالرزاق کے خاندان کے ممبر تھے سخت برہم ہوئے تھے اور غصہ میں آکر کہتے تھے واللہ یبیع لحیتہ دیو دی یعنی وہ اپنی ڈاڑھی بیچے اور رپے ادا کرے"۔

دوسرے دن میں مفتی صاحب کے پاس گیا تو اُنہوں نے پوری رقم یعنی دوسو رُپے اپنے پاس سے دیئے میں نے کہا "آپ اپنی جیب سے دیتے ہیں تو میں لینا نہیں چاہتا"۔ فرمایا کہ "نہیں۔ عبدالرزاق نے مجھپر حوالہ کردیا ہے۔ لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور میرے پاس رُپے بھی نہوتے تو میں اپنا یہ جبہ بیچکر دیتا"۔ باوجود اس کے مفتی صاحب اور تمام حاضرین کو سخت ندامت تھی۔ وہ لوگ مجھسے نہایت الحاح سے معذرت کرتے تھے اور بار بار کہتے

تھے کہ "ہماری آنکھ تم سے برابر نہیں ہوتی"۔ میں جب رخصت ہو کر چلا تو مفتی صاحب نے کچھ دور تک مشایعت کی اور کہا کہ المرجو منکم ان تستروا عیوبنا فانہ من شیم الکرام یعنی "مجکو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ ڈالیں گے۔ کیونکہ شرفا کا کام پردہ پوشی ہے" مفتی صاحب اور ان ہمنشینوں کو عبد الرزاق کے برتاؤ پر جو ندامت تھی اور جس طرح وہ بار بار مجھسے معافی چاہتے تھے۔ اُسکا اثر اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔

دوسرا واقعہ۔ یہ ہے کہ سکندریہ پہنچکر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناواقفیت کی وجہ سے مجکو سخت پریشانی ہوئی۔ چونکہ ریل میں دیر تھی میں ایک قہوہ خانہ میں جو اسٹیشن سے متصل تھا جا بیٹھا۔ وہاں ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے۔ مجکو غیر ملک کا آدمی سمجھکر یا معلوم نہیں کیوں؟ بڑے تپاک سے پیش آئے وہ قاہرہ کو جا رہے تھے میں نے اُن سے ظاہر کیا کہ میں آپکا ہمسفر ہوں اور چونکہ ناواقفیت کی وجہ سے مجکو ہر موقع پر نقصان اور تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپکا ساتھ رہے انہوں نے کہا کہ بالراس والعین۔ ان کی وجہ سے تمام سفر میں مجکو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی قاہرہ پہنچے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مجکو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع ازہر کے قریب ہو اور فیس بھی زیادہ نہو میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا وہ دو روز تک میرے ساتھ ہوٹل میں مقیم رہے۔ تیسرے دن کہا کہ "میں ایک ضرورت سے قاہرہ آیا تھا اور دو تین دن میں مجکو واپس جانا ہے اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں"۔ یہ کہکر ہوٹل کے خانساماں کو دو دن کا کرایہ اور کھانے کی فیس حوالہ کی۔ میں نے ہر چند اصرار کیا کہ میری فیس آپ کیوں دیتے ہیں نہ مانا اور کہا کہ آپ اسوقت

تک ہمارے مہمان تھے۔ یہ کہکر رخصت ہوئے اور مجھکو سخت افسوس رہا کہ دوبارہ اونسے ملاقات نہین ہوئی۔

حال کی عربی زبان

چونکہ سفرنامہ کے لوازم مین ایک یہ بھی ہر کہ جس ملک کے حالات لکھے جائین وہان کی زبان مروجہ سے بھی بحث کی جائے اسلیئے حال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع شام اور مصر کی زبان ہے کچھ لکھنا ضرور ہے۔ اس سے ہمارے اُن ہموطنون کو بھی فائدہ پہنچے گا جو مصر و شام کے اخبارات کے نہایت شائق ہین۔ لیکن مروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہین ہوسکتے۔

موجودہ عربی۔ قدیم عربی سے اسقدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر و شام کا سفر کرے تو اُسکو وہان کی زبان کے سمجھنے مین قریباً ویسی ہی دقت ہوگی جو ایک عامی کو ہوسکتی ہے زبان موجودہ کی وہ خصوصیتین جنکی وجہ سے وہ قدیم زبان سے۔ مختلف ہوگئی ہے مختصر طور پر ذیل مین درج ہین۔

(۱) بہت سے الفاظ اسقدر مختصر کر دیئے گئے ہین کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے۔ اصلی الفاظ کی طرف ذہن منتقل نہین ہوسکتا۔ اس قسم کے چند الفاظ یہ ہین۔

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنے
شُو	اَیُّ شیءٍ	کلمۂ استفہام
مُوشِ	مَاھُوَ شَیءٌ	حرف نفی کے معنی مین مستعمل ہوتا ہے۔

معنے	اصل	لفظ تبدیل شدہ
کچھ ہرج نہیں۔ کچھ مضائقہ نہیں۔	ما علیہ شیءٌ	مَاعَلَیش
مفت۔ اور پہلے لفظ کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی کچھ ہرج نہیں	بِلَا شَیءٍ	بِلاش
اِس طرح	ھٰکَذَا	ھِیك
یہ لوگ	ھٰذہ ھولاء	ھَادُول
اُسقدر	قَدْرِايِّ شيءٍ	قَدَّايْش

(۲) الفاظ کے اوّل یا اخیر میں بعض حرف زیادہ کر لیے ہیں جس سے لفظ کی صورت بالکل بدلجاتی ہے مثلاً شام میں تمام افعال مضارع کے اوّل بَ زائد کر دیتے ہیں ان الفاظ کو ما اقول۔ ما اعرف۔ یوں کہتے ہیں۔ مَا بِاَقُول۔ مَا بِاَعْرِف مصر میں الفاظ کے اخیر میں ش بڑہاتے ہیں۔ مثلاً یاخُذ کے بجاے یاخُذُش۔

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عربی تلفظ کی تمام خصوصیتیں مٹ گئیں۔ قاف کے بجائے ہمزہ۔ جیم کے بجائے گاف۔ ذال کے بجائے دال۔ عین کے بجاے ہمزہ بولتے ہیں اور نہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے بلکہ علما اور اشراف بھی اِن حرفوں کو اسی طرح ادا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ مصر میں میں نے ایک طالب العلم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے گَای مِن گَمَعَ (جاءٍ من جمعۃ) یعنی میں جمعہ مسجد سے آرہا ہوں

(۴) بہت سے قدیم الفاظ ہیں جن کا طرز استعمال بدل گیا ہے۔ مثلاً جب کسی شخص کی تعریف۔ یا اُسکا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہیگا۔ استغفراللہ یعنی میں کس قابل ہوں۔ یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کے سامنے بیان کیجائے تو وہ کہیگا۔ اَمَانْ یا مثلاً یہ کہنا ہو کہ تمکو اس سے کیا غرض؟۔ تو کہیں گے شُوْ بِدّکْ۔ شُو۔ ای شیئٔ کا مخفف ہے اور بدّ وہی لفظ ہے جسکو ہم لابد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں

(۵) یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں۔ اور چونکہ کسی قدر انہیں تغیر کر لیا گیا ہے۔ عربی داں۔ اور انگریزی دونوں کو ان کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس قسم کے چند الفاظ مثالاً درج ہیں۔

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
تِلغَراف	ٹیلیگراف	فوتوغراف	فونوگراف
بُروجرام	پروگرام	بوُستہ	پوسٹ۔ ڈاک
قُومانداان	کمانڈر	بارِیز	پیرس (دارالسلطنۃ فرانس)
قومسیون	کمیشن	سِیغَارۃ	سگرٹ
اَفُوکاتو	ایڈوکیٹ	انکلترا	انگلستان
شَلّین	شلنگ	امبراطور	امپرر
غاز	گیس	لوندرۃ	لندن
بازابورت	پاسپورٹ	ژورنال۔ یا جُرنال	جرنل

الفاظ معرّبہ	الفاظ اصلی	الفاظ معرّبہ	الفاظ اصلی
اوروبا	یورپ	جُمباز	جمناسٹک
میکانک	مشین (کل)		

اب ہم زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فرہنگ درج کرتے ہیں۔ اسمیں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ سو برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں انکو رواج عام حاصل نہیں ہوا تھا وہ بھی نئے الفاظ خیال کیئے جاتے ہیں خاص اس قسم کے الفاظ پر میں ق کی علامت لکھونگا جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ قدیم الفاظ ہیں۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
(الف)		اِمتیاز	لائسنس
اُمضاء	دستخط	اَغراض	اسباب
المان (جرمنی لفظ)	سلطنت جرمن	اَدب خانہ	پاخانہ
اجزاخانہ (ترکی لفظ)	دواخانہ	انتیکہ خانہ	قدیم اشیا کا عجائب خانہ
(ق) اُسطول	جنگی جہاز۔ یا جہازوں کا بیڑہ	اشتراک الجریدۃ	اخبار کی خریداری اور اخبار کی قیمت کو بدل الاشتراک کہتے ہیں
اُوضَہ۔ یا۔ اودہ	کمرہ۔ (مکان کا)		
آغا۔ جمع۔ اغوات	خواجہ سرا		

لفظ	معنی
(ب)	
بتاتہ	آلو
(ق، بَرطلۃ۔ جمع براطیل	رشوت
بَلَدِیَّۃ	مینوسپلٹی
باخرہ	دخانی جہاز
(ق) برنامج۔ فارسی لفظ ہے	فہرست
براد	چائدان
بیتُ الماء	پاخانہ
(ق) بکارہی	سویرا
بکیرا	سویرا
باش کاتب۔ ترکی ہے	میر منشی
(ت)	
تکّۃ	ازاربند
ترعۃ	بڑا تالاب
تمرنیات عسکریہ	قواعد۔ (فوج کی)
تشخیص۔	تھیٹر میں ایکٹ کرنا

لفظ	معنی
تذکرہ	پروانہ۔ ٹکٹ۔ سند
تطعیم الجدری	چیچک کا ٹیکا
تمرنیات جسدیہ	ورزش
(ث)	
ثورۃ	بغاوت
(ق) ثُریا	جھاڑ (روشنی کا)
ثوب	لمبا کُرتہ
(ج)	
(ق) جبن	پنیر
(ق) جریدہ۔ جمع جرائد۔	اخبار
جوخ	بانات
جمعیّۃ	انجمن
جمرکی۔ (یا) گمرک۔ ترکی ہے	چنگی
جنینۃ	باغ

سلہ پیلی۔ فوج کی تنخواہ کے رجسٹر کو کہتے ہیں۔

لفظ	معنی
(ح)	
حوائج	میلے کپڑے جو دھونے کو دیئے جاتے ہیں
(ق) حرّاقہ	تارپیڈو کی کشتی
(ق) حلیب	دودھ
حزب الاحرار	لبرل پارٹی
(خ)	
خریطہ	نقشہ (جغرافیہ کا)
(ق) خان	سرائے یا ہوٹل
(د)	
دلیجانس (عربی نہیں ہے)	شکرم
دائرہ۔	محکمہ۔ صیغہ
دقیقہ	منٹ
(ر)	
(ق) ربّان	کپتان جہاز
روایۃ	ناول۔ قصہ۔
رومان۔ انگریزی لفظ ہے	ناول۔ قصہ
ریشہ	نب۔ انگریزی قلم کی زبان
ربطۃ الرقبہ	نکٹائی
رصاص	بندوق کی گولی
رسم	تصویر۔ نقشہ
(ز)	
زنّار	پیٹی
(س)	
(ق) ساعۃ	گھڑی جس سے وقت معلوم ہوتا ہے
سکۃ الحدید	ریلوے
سوکرتہ۔ انگریزی سے ماخوذ ہے۔	بیمہ کرنا
سجادہ	قالین۔ دری
سیاسۃ	پالٹیکس
سریر	چارپائی۔

لفظ	معنی
ش	
شرکة	کمپنی
شوکة	کانٹا (جس سے انگریز کھانا کھاتے ہیں)
شمسیّہ	چھتری
شمندوفر۔ فرنچ زبان کا لفظ ہے۔	ریل
شنطہ	پوٹ منٹو۔ بڑا صندوق
(ق) شختورہ	چھوٹی کشتی
ص	
(ق) صیدلیة	عطاری کی دوکان
(ق) صھریج	تالاب
صوت	ووٹ
ض	
ضو	چراغ لمپ
(ق) ضرابیة	ٹکس
ضبطیہ	پولس

لفظ	معنی
ضابط۔ جمع ضباط	افسر فوج
ط	
طربوش	ترکی ٹوپی
طبسی	سینی
ظ	
ظرف	لفافہ
ع	
(ق) عُلبہ	ڈبیہ
(ق) عیش	روٹی
عیش افرنجی	پاؤروٹی
عمارہ	بیڑہ جہازات
(ق) عربة	گاڑی
عجلہ	ایضاً
عمد	اخبار کا کالم
عضو جمع اعضاء	ممبر (کمیٹی)

لفظ	معنی
غ	
غسیل	کپڑے کی دُھلائی
ف	
(ق) فندق	ہوٹل
(ق) فنجان جمع۔ فناجین[لہ]	پیالی
(ق) فلوکہ	ڈونگی۔ چھوٹی کشتی
فطرہ۔ یا فطور	ناشتہ۔ صبح کا کھانا
فابریقہ (انگریزی لفظ ہے)	کل وغیرہ کا کارخانہ
(ق) فُرجة	سیر وتفریح
فراجہ	ٹرکش عورتوں کا بُرقع
فُراتہ	ریزگاری۔ روپیہ کا خردہ
ق	
(ق) قائمہ	فہرست کُتب

لفظ	معنی
قرار	رزولیوشن۔ حکم
قائم مقام	ایک عُہدہ کا نام ہے جو ہمارے ہاں کے ڈپٹی کلکٹری کے قریب ہے
قرینة	زوجہ۔ بیگم
ک	
کھنیہ	ٹوپی
کندرہ۔ ٹرکی ہے۔ غالباً	بوٹ
کَرُوسہ	شکرم
(ق) کاك۔ یا۔ کعك	بسکٹ
کبریت	دیا سلائی
ل	
لائحة	فہرست
لَفَّة	عمامہ جو ٹوپی کے اوپر باندھتے ہیں۔
لیرہ	پونڈ۔ اشرفی
لوکاندہ۔ عربی نہیں ہے۔	ہوٹل۔

[لہ] شاعر کہتا ہے۔ قہوۃ کالمسك صافیة
تحیی النفوس شنّف لی الفناجینا۔

لفظ	معنی
(ق) لجنة	کمیٹی
لحظة	سکنڈ (منٹ کا ساٹھواں حصہ)
لیلی	بورڈر (بشرطیکہ یہ لفظ طالب العلموں کے لئے استعمال کیا جائے)
لباس	پاجامہ
[illegible]	دہی

م

لفظ	معنی
[illegible]یارے	فلوس۔ پیسے
مستشفیٰ	اسپتال
مرفا	گھاٹ۔ بندرگاہ
مومسات	رنڈیاں۔ کسبیاں
مِقص	قینچی
(ق) مُزیّن	حجام
مؤتمر	کانفرنس

لفظ	معنی
مندوب	ڈلیگیٹ۔ سفیر۔ وکیل۔
مَحجر	قرنطینہ
مامورية	نوکری
مدافع	توپ
مَضبطة	موریل۔ عرضداشت
مَعمل	کارخانہ
معرض	نمائشگاہ
متصرِف	ایک عہدہ کا نام ہے
مُفتِش	انسپکٹر
محفظة	نوٹ بک۔ یادداشت کی کتاب۔
مَتحَف	عجائب خانہ
مُشمع	موم جامہ
مسکوب	سلطنت روس
مزهرية	گلدان
(ق) مِخدّ[illegible]	[illegible]